نوجوانانِ اسلام

کی

دینی وملی ذمہ داریاں

مؤلف

مفتی محمد ایاز صاحب حفظہ اللہ

ناشر

اشاعت اکیڈمی

عبدالغنی پلازہ محلہ جنگی پشاور

0333-4532836 / 0300-9391643

اشاعت اکیڈمی

اینڈ پرنٹنگ ایجنسی پشاور

091-5515698

نوجوانان اسلام کی دینی وملی ذمہ داریاں

ابو معاویہ مولانا مفتی محمد ایاز حفظہ اللہ

العلم پبلیکیشنز، محلہ جنگی پشاور
091-2590315

فہرست مضامین

جوانی کی اہمیت	36
نوجوانان اسلام کی ضرورت اور افادیت	38
جوانی کی طاقت	40
نوجوان کے جذبات	40
نوجوان کی امیدیں	40
نوجوان کی امتیازی عادات	41
نوجوانوں کے ساتھ مخصوص احکام	41
جوانی اور عبادت	42
عبادات کی تاثیر	42
جوانی کی عبادت	43
عبادات کی ترغیب	44
نوجوان اور مسجد	45
جوانی کی عبادت کا فائدہ	45
عبات کا انعام	46
نوجوان کے لئے نکاح	47
قیادت وسرداری	48
جوانی غنیمت	49
جوانوں اور شیوخ وبزرگوں کے درمیان رابطہ	50
نوجوان قیمتی سرمایہ	52
نوجوانان اسلام سے متعلق احادیث رسول ﷺ	53
اصل کی طرف رجوع	59

اخلاص قول و عمل	60
اے مسلم نوجوانو!	61
حقیقی نوجوان	63
ہمارے ہیرو کون؟	63
نو عمر صحابہؓ اور اقامت دین	65
ہر دور میں جواں جذبے	67
ہمارا حقیقی اسلحہ	68
صحابہ کرامؓ، روشنی کے مینار	70
نوجوان صحابہ اور انقلاب اسلامی	70
قبولِ اسلام	71
دفاع اسلام	74
دین پر تکالیف اور استقامت	77
دعوت دین	86
سیدنا ابو ہریرہؓ کا اپنی والدہ کو دعوت	86
سیدنا ام سلیمؓ کا ابو طلحہ کو دعوت	87
سیدنا ضمام بن ثعلبہؓ کا قبیلہ بنو سعد بن بکر کو دعوت	87
سیدنا عروہ بن مسعودؓ کا قبیلہ ثقیف کو دعوت	89
سیدنا زیاد بن حارثؓ کا اپنی قوم کے نام خط	90
سیدنا خالد بن ولیدؓ کا اہل فارس کے نام خط	92
حمیت اسلام	93
سیدنا زبیرؓ بن العوام	94
ننھا مجاہد، مستقبل کا سپہ سالار	95

عمیر بن سعدؓ کی عظمت	96
ننھا انصاری، مصعبؓ	97
زید بن ارقمؓ	97
حب رسول ﷺ کے عملی نمونے	98
خاندان، والدین اور حب رسول ﷺ	98
آزر کے گھر ابراہیم علیہ السلام	99
رئیس قریش کی عظیم بیٹی	100
غسیل الملائکہ	101
امین الامت	102
سیدنا مصعبؓ بن عمیر	102
دور جدید کے فتنے	103
انفاق فی سبیل اللہ اور صحابہ کرامؓ	104
پورا باغ اللہ کو دے دو	104
مٹھی بھر کھجوروں کا مقام	105
معیار زندگی کا بت پاش پاش ہو گیا	108
دو کمبلوں والا مردِ درویش	108
شان سکندری سے شان قلندری تک	109
آج کا چیلنج	110
اے نوجوانو!	114

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جوانی کی اہمیت

نوجوان اپنی جوانی سے بھرپور فائدہ حاصل کرتا ہے اور اپنی عائلی، تعلیمی اور معاشرتی زندگی میں اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتا ہے۔ نیز امت کی اجتماعیت اور انقلابات بھی انہیں کے جذبے اور قربانیوں کی مرہون منت ہے۔اسی وضاحت کے لیے ہم یہاں چند نکات پیش کرتے ہیں۔

پہلا نکتہ :

انسانی زندگی میں جوانی کا دور سب سے اہم ہوتا ہے۔اس میں خرید وفروخت، نکاح اور دوسرے تمام معاملات سے واسطہ پڑتا ہے یہ سلسلہ بلوغ سے شروع ہو کر تیس سال کی عمر تک رہتا ہے۔ شباب کی تحقیق میں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مسلم میں کہا ہے:

"شباب لغت میں 'شب' سے ماخوذ ہے۔ یہ لفظ قوت وطاقت پر دلالت کرتا ہے۔اس میں نشاط، حرکت وحسن اور بلندی کا معنی بھی پایا جاتا ہے اور زیادتی اور کثرت کا معنی بھی ملحوظ ہوتا ہے"۔

دوسرا نکتہ :

جوانی کا دورانیہ انسانی زندگی کا موسم بہار کہلاتا ہے۔یہی جوانی انسان کو مقصد اور انتہا تک پہنچاتی ہے اور یہی اس کے مستقبل کو روشن کرنے والی ہے۔اس مرحلہ میں پہنچ کر انسان کو اپنی قوتوں اور خداداصلاحیتوں کا احساس ہوتا ہے، لیکن جب یہ نوجوان اپنی جوانی کی قوتوں اور صلاحیتوں کو استعمال کیے بغیر بڑھاپے کی دہلیز پر قدم رکھتا ہے تو اپنی فوت شدہ جوانی پر افسوس کرتا دکھائی دیتا ہے۔ کسی شاعر نے ایسے نوجوانوں کے بارے میں کیا خوب کہا ہے:

أَلَا لَيْتَ الشَّبَابَ يَعُوْدُ يَوْمًا فَأُخْبِرُهُ بِمَا فَعَلَ الْمَشِيْبُ

ہائے کاش کہ جوانی لوٹ آتی پھر میں اسے بڑھاپے کی حالت سے خبردار کرتا۔

تیسرا نکتہ :

جوان زبردست اور مضبوط طاقت کا حامل ہوتا ہے۔ چستی اور پرتیلا پن اُس کی خاصیت ہوتی ہے۔ نوجوان کی تروتازگی مجموعہ انسانیت کو خوبصورتی بخشتی ہے، ان میں خوشی و

چمک پیدا کرتی ہے، امید کی کرن، شجاعت اور نیک بختی پیدا کرتی ہے۔

چوتھا نکتہ:

موجودہ زمانے میں جوانی کو ضرب المثل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے اور مستقبل میں ان سے بڑی بڑی امیدیں وابستہ رکھی جاتی ہیں۔ یہ امت کی طاقت کے ستون ہیں۔ حکومت و سلطنت کے لیے پھول ہیں۔ وطن کے لیے ذخیرہ ہیں۔ تمام خاندانوں کے لیے ثمرہ ہیں۔ مقابلہ کے لیے قوت و طاقت ہیں۔ ان کی رگوں میں تر و تازہ اور گرم خون گردش کرتا ہے۔ بدن طاقت سے بھرپور ہوتے ہیں۔ ان کی روشن دماغی معارف کے درجات کو ترقی دیتی ہے اور نئی نئی چیزیں وجود میں آتی ہیں۔ ان کے کارناموں پر ظاہری امیدوں کی تحقیق موقوف ہوتی ہے۔

تاریخ یہ ثابت کر چکی ہے کہ اصلاح امت کی دعوت، آزادی اور انقلابات میں نوجوان کا کردار انتہائی اہم رہا ہے۔ نوجوانوں ہی نے ظالموں اور سرکشوں کے خلاف میدان کارزار میں نمایاں کارنامے سرانجام دیئے ہیں۔ اہل دعوت اور اہل اصلاح کے ساتھ یہ صف اول میں شامل ہوتے ہیں۔ یہی نوجوان ملک و قوم کی تعمیر و ترقی کا ضامن ہوتے ہیں اور ملک کو آہنی بنیادوں پر کھڑا کرتے ہیں۔ یہ نوجوان اپنے کردار و گفتار، حوصلے کی بلندی، غیر متزلزل ارادوں سے دنیا کو اپنا گرویدہ بنالیتے ہیں اور مجموعہ انسانیت کے لیے نمونہ بن جاتے ہیں۔

پانچواں نکتہ:

زمانہ شباب میں نوجوانوں کی عقل و فکر پختہ ہو جاتی ہے، لیکن بعض اوقات ان سے ایسی عادتیں ظاہر ہوتی ہیں جو انہیں دوسروں سے ممتاز کرتی ہیں، مثلاً ظاہر کی محبت، اپنی ذات کو ثابت کرنے کی کوشش، تکبر، سرکشی کا غلبہ، تقلید کی مخالفت، عادات و آداب کی مخالفت، اجتماعی مراتب کی طرف نقل و حرکت سے دور رہنے کی سعی و کوشش، کھیل تماشہ کی محبت اور نتیجہ سے بے پرواہی وغیرہ وغیرہ۔ اس کے برعکس بعض نوجوانوں میں عمدہ خصلتیں بھی پائی جاتی ہیں، مثلاً ایثار و قربانی، مقاصد کے حصول کے لیے بے پناہ جذبہ، دینی کاموں کے لیے اپنی ذات کو بھول جانا وغیرہ۔

نوجوانوں کی ضرورت اور افادیت

نجات اخروی اور قرب خداوندی کا ذریعہ نہ جوانی ہے اور نہ پڑھاپا ہے بلکہ ایمان اور عمل صالح ہے۔ ارشاد خداوندی ہے کہ:

"جو کوئی بھی نیک عمل کرے گا مرد ہو یا عورت ہو بشرطیکہ وہ ایمان لا چکا ہو تو ہم اس کو دنیا میں پاکیزہ زندگی دیں گے اور آخرت میں ہم ان کو اچھے عمل کے بدلے میں ضرور اجر دیں گے"۔ [النحل:۹۷]

قیامت کے روز انسانوں کی درجہ بندی جوانی اور بڑھاپے کے اعتبار سے نہیں ہو گی بلکہ ایمان و عمل کے اعتبار سے ہو گی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اور تم تین قسم کے ہو جاؤ گے۔ دائیں ہاتھ والے ہوں گے اور کتنے اچھے ہوں گے دائیں ہاتھ والے۔ بائیں ہاتھ والے ہوں گے اور کتنے برے ہوں گے بائیں ہاتھ والے اور عمل میں آگے بڑھنے والے درجے میں بھی آگے رہیں گے اور یہی لوگ اللہ کے قریب ہوں گے"۔ [الواقعہ:۱۱۔۷]

دنیا میں بھی فرق مراتب کا دارومدار نہ جوانی پر ہے نہ بڑھاپے پر بلکہ اہلیت پر ہے۔

"سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی مجلس شوریٰ کے ارکان علوم قرآنیہ کے ماہرین ہوا کرتے تھے خواہ نوجوان ہوں یا بوڑھے۔" [بخاری شریف]

اس اصولی اور بنیادی حقیقت کے باوجود اسلامی تحریکوں میں نوجوانانِ اسلام کی ضرورت، اہمیت اور افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ظاہر ہے کہ کسی بھی نظام اور کسی بھی فکر کو عملی جامہ پہنانے کے لیے علمی و فکری قوت کے ساتھ جسمانی قوت کا بھی بہت بڑا عمل دخل ہوتا ہے۔ صرف علم و تحقیق اور فکر و نظر سے انقلابات برپا نہیں کیے جا سکتے اور نہ صرف جسمانی قوت اور جوانی کے زور و شور سے پائیدار تعمیری انقلاب لایا جا سکتا، بلکہ دونوں قوتوں کے باہمی توافق و تعاون سے ہی تعمیری انقلاب ممکن ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لیے طالوت کو جب سپہ سالار (امیر الجیش) مقرر فرمایا تو انہوں نے کہا کہ یہ نسل اور خاندان میں بھی

اہم سے فروتر ہے اور اس کے پاس مال کی فراوانی بھی نہیں ہے، تو آخر اس کو ہم پر حکومت کا استحقاق کیسے حاصل ہو سکتا ہے؟ جواب میں ان کے نبی علیہ السلام نے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو تم پر اس لیے امیر مقرر کیا ہے کہ اس کو تمہارے مقابلے میں علم اور جسم دونوں میں کشادگی زیادہ دی گئی ہے۔ [البقرہ:۲۴۷]

یعنی اس کو پاس حربی و عسکری تجربہ و مہارت اور دینی بصیرت بھی تم سے زیادہ ہے اور اس کو جسمانی قوت و صحت اور قد و قامت کی وجاہت میں بھی تم پر فوقیت حاصل ہے۔ اس آیت کا تعلق اگرچہ جنگ اور عسکری جدوجہد سے ہے لیکن دعوتی اور تحریکی جدوجہد بھی محنت طلب کام ہے جس کے لیے دماغی ذہنی استعداد کے ساتھ ساتھ جسمانی اور اعصابی قوت کی ضرورت پڑتی ہے۔ دل و دماغ اور جسم و اعصاب کا ایک دوسرے سے متاثر ہونا اور ایک دوسرے کا محتاج ہونا ایک امر واقعی ہے، جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ عسکری جہاد کے لیے جسمانی قوت اور جوان خون کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے اور دعوتی جدوجہد کے لیے علمی اور فکری قوت کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے۔

جوانی کی طاقت

انسان کی زندگی میں جوانی کے مرحلے کو طاقت و قوت کا سب سے بڑا مرحلہ شمار کیا جاتا ہے۔ جوان ایک بھرپور جسدی طاقت کا مالک ہوتا ہے۔ پھر یہ بھی امکان ہے کہ جوان اس طاقت سے فائدہ لے کر خیر و بھلائی کا رُخ کرے، اس کا پھل حاصل کرے، اس سے نفع مند ہو۔ امت کو بھی فائدہ پہنچے اور بہت سے اہم مقاصد پایہ تکمیل تک پہنچیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ نوجوان اپنی اس طاقت کو شر و فساد میں لگائے پھر خود بھی غلط راستے پر چلتا ہے اور دوسروں کو بھی بھٹکانے کا سبب بنتا ہے۔ یہ نوجوان خود بھی اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیتا ہے اور اپنے ارد گرد کے لوگوں کے لیے بھی پریشانی کا سبب بنتا ہے۔

نوجوان کے جذبات:

جب انسان مرحلہ شباب میں پہنچتا ہے تو اس کے جذبات بھی انتہائی درجے کو پہنچ جاتے ہیں۔ انسانی زندگی کے لمحات میں سے یہ خطرناک ترین لمحہ ہوتا ہے کیونکہ اس کی خواہشات، شہوات اور جذبات اس میں موجزن ہوتی ہیں۔ پھر اس کی عقل و فکر تیزی سے ترقی کرتی ہے۔ ان حالات کے پیش نظر اندیشہ ہوتا ہے کہ نوجوان کہیں فحش، منکرات اور ذلیل کاموں میں نہ جا پڑے، کیونکہ اگر وہ تباہی کے اس کھڈے میں اوندھے منہ گر گیا تو دوبارہ نکلنا اس کے لیے محال ہے اور اس طرح نوجوان کی پوری زندگی اجیرن بن جاتی ہے۔

نوجوان کی امیدیں:

ہر نوجوان کی بہت سی امیدیں اور آرزوئیں ہوتی ہیں۔ وہ اونچے خواب دیکھتا ہے۔ اس کی زندگی میں مستعدی اور اس کے عمل میں خودسری پائی جاتی ہے، اس لیے جوانی کا دور تعلیم و تربیت کے لیے انتہائی اہم ہوتا ہے۔ معارف اور اخبار سے واقفیت کے لحاظ سے بھی یہ مرحلہ کافی اہمیت رکھتا ہے، لیکن عام طور مشاہدہ ہے کہ نوجوان اسی عمر میں غلط راستے پر چل پڑتے ہیں۔ اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ معاشرے کے بزرگ حضرات نوجوانوں کو اپنے تجربات

سے آگاہ کرے، حکمتوں سے لبالب نصیحتیں کریں، والدین کی طرح شفقت سے پیش آئیں اور ہر طرح سے ان کا ہاتھ پکڑ کر صحیح راستے پر لگائیں۔ انہیں مضبوط سازشوں، شیطانی جال اور پر خطر مقامات سے دور رکھیں، تاکہ وہ ان مفسدات سے بچیں اور ان کے قریب بھی نہ جائیں۔

نوجوان کی امتیازی عادات:

جوانی کے مرحلے میں بہت سی امتیازی باتوں سے نوجوانوں کو واسطہ پڑتا ہے۔ ان میں سے کچھ یہ ہیں تکبر، غرور، زیب اور زینت کی خواہش، اپنے آپ کو بڑا ظاہر کرنے کی کوشش، اپنی عادتوں پر اعتماد، تقلید سے انحراف، ماحول میں اپنی شخصیت کو نمایاں کرنے کے لیے ہر قسم کی جائز حد کو پھلانگنا۔ اپنے وجود کی طرف متوجہ رہنا اور اسی کی طرف نظر موڑے رکھنا۔ اکڑپن، کھیل تماشہ سے محبت، بے سوچ سمجھے کام کرنا اور نتائج کو نہ دیکھنا وغیرہ۔

نوجوان کا میلان مادی قوت کی طرف بھی بہت ہوتا ہے۔ علمی شغف کم، تجربات نہ ہونے کے برابر لیکن صرف سطحی خیالات سے سب کچھ جاننے کی بھی ناکام کوشش اس میں پائی جاتی ہے۔ اس لیے بڑی عمر والوں پر یہ واجب ہے کہ نوجوانوں کی رعایت کریں، محبت و مہربانی سے ان کا ہاتھ تھام لیں۔ انہیں وعظ و نصیحت سے دین کی طرف راغب کریں لیکن اس انداز سے کہ ان کا ذوق مجروح نہ ہو اور ان کے جذبات کو کوئی ٹھیس نہ پہنچے۔

نوجوانوں کے ساتھ مخصوص احکام:

شریعت نے نوجوانوں کے احوال کی رعایت، ان کی شان کے اہتمام اور ان کی رشد و ہدایت کے لیے کچھ احکام خصوصی طور پر ان کے لیے بیان کیے ہیں، ان کے لیے کچھ عملی راستے واضح کیے ہیں، ان کے لیے کچھ تدبیریں بتائی ہیں۔ ان کو راہ راست پر چلانے کے لیے ان کی دست گیری کی ہے تاکہ انہیں اور ان کے ذریعے پوری امت کو فلاح و سعادت ملے، ان میں سے کچھ احکام کا بالترتیب یہاں تذکرہ کیا جاتا ہے۔

جوانی اور عبادت:

اسلام نے اس بات کا خوب اہتمام کیا کہ نوجوانوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف متوجہ کیا جائے جو کہ انسانی زندگی کا ہدف و مقصد اصلی ہے۔ قرآن پاک میں ہے "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ" [سورۃ ذاریات] ہم نے انسان اور جنات کو عبادت کے لیے ہی پیدا کیا ہے۔ اس لیے کہ عبادت اسلامی عقیدہ کے لیے عملی حقیقت ہے، اس کی صداقت پر دلیل اور انسان کے سچا مسلمان ہونے کی علامت ہے۔

عبادت ایمان کے لیے غذا اور پرورش کا ذریعہ ہے۔ عبادت مومنوں کے دل میں نور و ہدایت کی شعاعوں کو نافذ کرنے کے لیے نہایت موزوں اور اہم ترین راستہ ہے۔ پھر مومن خیر کو خیر کی نظر سے دیکھتا ہے، اس کی پابندی کرتا ہے۔ برائی کو برائی سمجھتا ہے اور اس سے اجتناب کرتا ہے اور دوسروں کو بھی بچنے کی تلقین کرتا ہے۔ پس عبادت ہی عام مسلمان اور خصوصاً نوجوان کی اصلاح کے لیے اور ان کی فکر و سلوک میں کج روی و انحراف سے حفاظت کے لیے کامیاب ذریعہ ہے۔ عبادات میں ہمت و قوت سے صبر کرنے اور تکالیف برداشت کرنے کی عادت پیدا ہوتی ہے۔ قرآن پاک میں ہے:

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخَاشِعِيْنَ۔ [سورۃ بقرہ]

"نماز اور صبر کے ذریعے مدد طلب کرو، بے شک نماز بھاری ہے مگر عاجزی کرنے والوں پر نہیں"۔

عبادات کی تاثیر:

عبادات کا اجتماعی طور پر بے پناہ اثر ہوتا ہے۔ لوگوں کے تعلقات و رابط کا ذریعہ عبادات ہی ہیں۔ باہمی تعاون و محبت، ایک دوسرے کے لیے ایثار و مہربانی، مصائب میں ساتھ دینا، حسنِ سلوک اور ایک دوسرے کے لیے ہر قسم کی تکلیف جھیلنا، یہ عبادت ہی کی بدولت ممکن ہے۔ اسی طرح ہر عبادت کا مستقل اثر ہے۔ نماز بے حیائی اور بُرے کاموں سے روکتی ہے۔ زکوٰۃ نفس کی پاکی کا سبب ہے، فسق و فجور سے اجتناب ملتا ہے، روزہ زبان کی حفاظت، دوسروں کے لیے احساس اور فقراء و غرباء کی امداد کا سبق سکھانے کے لیے ایک تربیتی کورس ہے۔

عبادات سے اللہ تعالیٰ کی رضا، خیر کی طرف رغبت اور نیک کاموں میں دلچسپی پیدا ہوتی ہے۔ عبادت انسان کو حرام کاموں سے دور رکھتی ہے۔ انفرادی واجتماعی طور پر انسانیت کو نقصان پہنچانے سے بھی بچاتی ہے۔

اسلام نے نوجوان کو اطاعت وخیر کی طرف متوجہ کیا ہے تاکہ نوجوان طبقہ (مرد وزن) اس خطرناک مرحلہ میں گناہوں سے بچ سکیں۔ جسمانی، فکری، نفسیاتی اور روحانی ہر طرح سے فساد سے محفوظ ہوں۔ ہر نوجوان کا نفس جن فسق وفجور کی طرف مشتہی ہوتا ہے ان سے بھی حتی الامکان پرہیز ہوسکے۔ اسلام نے نوجوانوں کے بُرے مقامات سے بھی بچنے کی تلقین کی ہے، جن میں آجکل کے اکثر نوجوان مصروف نظر آتے ہیں۔ نوجوان غیر مناسب مجلسوں اور مقامات پر اپنا وقت، جوانی اور قوت ضائع کرتے ہیں۔ اپنا مال بھی لٹاتے ہیں، بُرے اخلاق کا شکار بھی ہو جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے تعلق اور فرائض وواجبات سے بھی غافل ہوتے ہیں، مادی لذات اور جسمانی خواہشات میں ٹوٹ پڑتے ہیں۔ انہیں کسی عہد وپیمان کا ڈر نہیں ہوتا، کسی شرافت واخلاق کا لحاظ نہیں کرتے اور اپنی تباہی میں حد سے گزر جاتے ہیں اور اس وقت غفلت کی نیند سے بیدار ہوتے ہیں جب وقت ہاتھ سے نکل چکا ہوتا ہے، ہر چیز ضائع ہو چکی ہوتی ہے۔

در زندگی بکوش ہمیں دم غنیمت است　　زیرا کہ روز رگ بکس آشکارا نیست

"یہی زندگی کا وقت غنیمت ہے کچھ کوشش کرو کیونکہ کل کے دن کی کسے خبر ہے؟"

نوجوان کی عبادت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جوانی میں عبادت کرنے والوں کو اُن سات اشخاص کے ساتھ ذکر فرمایا جن کے لیے بہت بڑی بشارت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللهُ فِيْ ظِلِّهٖ يَوْمَ لاَ ظِلَّ اِلاَّ ظِلُّهٗ اَلْاِمَامُ الْعَادِلُ وَالشَّابُّ نَشَأَ بِعِبَادَةِ اللهِ تَعَالٰى وَرَجُلٌ قَلْبُهٗ مُعَلَّقٌ فِي الْمَسَاجِدِ وَرَجُلاَنِ تَحَابَّا فِي اللهِ اجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ وَرَجُلٌ دَعَتْهُ اِمْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصَبٍ وَجَمَالٍ فَقَالَ! اِنِّيْ اَخَافُ اللهَ، وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَاَخْفَاهَا حَتّٰى لاَ تَعْلَمَ شِمَالُهٗ مَا تُنْفِقُ يَمِيْنُهٗ، وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ۔ [بخاری ومسلم]

"سات آدمی ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے [عرش] کے نیچے اُس دن سایہ دیں گے جس دن اس سایہ کے علاوہ کوئی اور سایہ نہ ہوگا:

(۱) عادل بادشاہ

(۲) وہ نوجوان جو جوانی میں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں پلا بڑھا۔

(۳) وہ شخص جسکا دل مسجد میں اٹکا رہے۔

(۴) وہ لوگ جو اللہ کے لیے محبت کریں اسی پر اکھٹے ہوں اسی پر جدا ہوں۔

(۵) وہ شخص جسے منصب و جمال والی عورت بدکاری کی طرف بلائے اور یہ کہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔

(۶) وہ شخص جو ایسے خفیہ طریقے سے صدقہ کرے کہ بائیں ہاتھ کو بھی پتہ نہ چلے کہ دائیں ہاتھ نے کیا صدقہ کیا ہے اور

(۷) وہ شخص جو تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرے اور آنسو بہائے۔

یہ بات بھی مد نظر رہنی چاہیے کہ جوانی کی عبادت دوسری عمر کی عبادتوں سے سخت ہے، کیونکہ شہوات کا غلبہ ہوتا ہے، عبادت سے منحرف کرنے کے کثیر اسباب ہوتے ہیں۔ پس عبادت کو اس عمر میں لازم پکڑنا سب سے اعلیٰ تقوی ہے۔ اسی وجہ سے مشہور ہے کہ جوانی کی عبادت "سونا" ہے اور ایک شاعر نے کیا خوب فرمایا:

وقت پیری گرگ ظالم می شود پرہیزگار
در جوانی توبہ کردن شیوہ پیغمبری

"جوانی میں توبہ کرنا پیغمبروں کا شیوہ ہے، بڑھاپے میں تو ظالم بھیڑیا بھی پرہیزگار بن جاتا ہے"۔

عبادات کی ترغیب:

عبادت نفس کو وساوس اور گناہوں سے پاک کرتی ہے اور خالق و مخلوق کے درمیان ایک مضبوط و پختہ تعلق ہموار کرتی ہے۔ انسانی نفس خصوصاً نوجوان کا نفس معاصی و نافرمانی اور جرم کرنے کی طرف سے میلان رکھتا ہے۔ عبادت اسے مہذب بنا دیتا ہے۔

نوجوان اور مسجد:

عبادت نوجوان کی زندگی کو ایک اچھی ترتیب سے منظم کرتی ہے، اس کی فکر کو اللہ عزوجل کی اطاعت اور اس کے سامنے عاجزی کرنے کی طرف متوجہ کرتی ہے، یہ آسمانی تربیتی نظام ہے جو جوان کو اس کے وقت و طاقت سے فائدہ لینا سکھاتا ہے تاکہ وہ اپنی زندگی کے مقصد سے آگاہ ہو سکے۔ اس سلسلے میں ایک خاص بات یہ ہے کہ عبادت کی جگہ مسجد ہے، جو مومن کے لیے جائے پناہ اور جائے انس ہے، اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، جنت میں داخلے کا راستہ ہے، اسلام کا پہلا مدرسہ مسجد ہی ہے جس سے ایمان و علم کا نور چھلکتا ہے۔ اسی میں تعلیم و تربیت حاصل کرکے جہاد و دعوت کے لشکر نکلتے ہیں۔ تو جب جوان مسجد سے تعلق رکھے گا اس کا مقصد متعین ہو گا، اسکی عزت محفوظ ہو گی۔ اس کے لیے روشنی میسر ہو گی جو اسے ہدایت کے راستے پر چلائے گی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کی تاکید یوں فرمائی:

اِذَا رَأَيْتُمُ الرَّجُلَ يَعْتَادُ الْمَسَاجِدَ فَاشْهَدُوْا لَهٗ بِالْاِيْمَانِ۔ [ترمذی عن ابی سعید]

"جب تم کسی آدمی کو دیکھو کہ مسجد میں آتا جاتا ہے تو اس کے ایمان کی گواہی دے دو"۔

یہ بات بھی بڑی خوش کن ہے کہ وہ نوجوان جو اللہ تعالیٰ سے، اپنے پروردگار سے، اپنے خالق سے اور اپنے محبوب رب سے تعلق جوڑتا ہے، ایمان اس کے دل میں رچ بس جاتا ہے۔ اُسی کی اطاعت میں نشو نما پاتا ہے، اسی کی عبادت میں مگن رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس نوجوان پر ملائکہ کے درمیان فخر کرتا ہے، کیونکہ اس نے اپنی خواہشات پر اپنی سمجھ بوجھ کو غالب کیا۔ اپنے ایمان کو شہوات پر قبضہ دیا۔ اس سیدھے راستے پر چلایا جس سے اللہ تعالیٰ خوش و راضی ہوتا ہے۔ ایسا سیدھا راستہ جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے انعام یافتہ بندوں کو چلایا اور ان کی رہنمائی کی۔

جوانی کی عبادت کا فائدہ:

عبادت کا ایک عظیم الشان فائدہ یہ بھی ہے کہ اس سے نوجوان کی طاقت، قوت اور اس کی زندگی کا تحفظ ہوتا ہے، مشتبہ مقامات خطرناک بھنور اور فاسد فکری و جنسی رجحانات جنکی

طرف نوجوان کی توجہ ہوتی ہے اور ان میں پڑنے کے لیے نوجوان کے لیے جال بچھائے جاتے ہیں۔ اس کے لیے خواہشات کی آگ بھڑکائی جاتی ہے۔ جنسی خیالات اور بے ہودہ آرزوئیں اس کے لیے آراستہ کی جاتی ہیں تاکہ وہ اسلام سے دور جا نکلے، اس کی قوت وطاقت منتشر ہو جائے اور اس کا وقت و عمر برباد ہو جائے، عبادت ان تمام سے نوجوان کا تحفظ کرتی ہے۔اس لیے اسلام نے ارادہ کیا کہ والدین، اساتذہ، ذمہ دار حضرات کے سامنے ان کی ذمہ داریوں میں سے ایک ذمہ داری تربیت اولاد کو بھی شامل کرے۔

عبادت کا انعام:

جب نوجوان میں عبادات کا عنصر آگیا تو اس کی امیدیں پوری ہو گئیں اور امت کا غرض وہدف بھی پورا ہو گیا۔ حدیث قدسی میں آیا ہے کہ:

وَمَا تَقَرَّبَ اِلَیَّ عَبْدِیْ بِاَفْضَلِ مِمَّا اِفْتَرَضْتُہٗ عَلَیْہِ۔ وَمَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حتیّٰ اُحِبَّہٗ۔ فَاِذَا اَحْبَبْتُہٗ کُنْتُ سَمْعَہُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِہٖ، وَبَصَرَہُ الَّذِیْ یَبْصُرُ بِہٖ۔ وَیَدَہُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِھَا، وَرِجْلَہُ الَّتِیْ یَمْشِیْ عَلَیْھَا۔ وَلَئِنْ سَاَلَنِیْ لَاُعْطِیَنَّہٗ۔ وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِیْ لَاُعِیْذَنَّہٗ۔

[بخاری عن ابی ہریرہ]

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا بندہ میرا قرب صرف ان فرائض کی بدولت ہی حاصل کر سکتا ہے جو اس پر میں نے فرض کیئے ہیں۔ اور میرا بندہ ہمیشہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے حتی کہ میں اسے دوست بنالیتا ہوں۔ جب میں اسے دوست بنالیتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔ اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ وہ اگر مجھ سے کچھ مانگے تو میں عطا کرتا ہوں وہ پناہ مانگے تو میں پناہ دیتا ہوں۔

پس نوجوان عابد اللہ کی رضا کے مطابق سنتا ہے اور دیکھتا ہے۔ اب اس کے ہاتھوں بڑے بڑے کارنامے سرانجام ہوتے ہیں۔ اگر یہ علم کی طرف توجہ کرتا ہے تو فوقیت لے جاتا ہے جیسے کہ مدارس اور جامعات میں اس کا مشاہدہ ہے اور اگر یہ جہاد و قتال کرے تو پیش پیش

اور صف اول کے جانبازوں میں سے ہوتا ہے۔ جو عمل بھی کرے تو کامیاب و سرخرو ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں، دوستوں کے ہاں اور اپنے ہم عصروں کے ہاں محبوب بن جاتا ہے۔

نوجوان کے لیے نکاح:

انسان کی کامل جنسی طاقت، اس کی جوشیلی قوت اور اس کے پاس جوجوانی کا خزانہ ہے، اسلام نے اس کو بھی جائز و مباح طریقے سے پاکیزہ وسائل کے ذریعے خرچ کرنے کا راستہ دکھایا تاکہ انفرادی و اجتماعی نفع عمل میں لایا جائے۔ اب اگر جوان شادی سے معذور ہو تو اسلام نے اسے یہاں بھی اکیلا نہیں چھوڑا، بلکہ اس کے لیے ایسی تدبیر بتائی جس کے ذریعے انسان اپنی قوت و طاقت کے خزانے کی حفاظت کر سکے ورنہ انسان اسے فضول ضائع کر بیٹھتا، حرام، تباہی کے مقامات اور بے ہودگی کے گہرے کھڈوں میں جا پڑتا۔ جس کے نتائج سنگین، فاسد، مہلک اور پھر ان سے بچاؤ بھی ناممکن ہو۔ ان سے باز رہنا بھی دشوار اور محال ہوتا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ! مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَآئَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ اَغَضُّ لِلْبَصَرِ ،وَاَحْصَنُ لِلْفَرْجِ،وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَآءٌ۔ [بخاری عن ابن مسعودؓ]

"اے نوجوانو! تم میں سے جسے طاقت ہو وہ شادی کر لے کیونکہ شادی نظروں کو جھکانے والی اور اس سے شرمگاہ کی خوب حفاظت ہوتی ہے۔ اور جسے طاقت نہ ہو تو وہ روزے رکھے کہ اس میں اس کے لیے خصی [محفوظ] رہنا ہے"۔

اسلام نے یہ حکم نوجوان طبقہ (مرد و زن) پر فرض نہیں کیا، بلکہ اسے ماں باپ کی ذمہ داری میں شامل کیا ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

حَقُّ الْوَلَدِ عَلَى الْوَالِدِ اَنْ يُّحْسِنَ اِسْمَهُ وَاَدَبَهُ۔ وَاَنْ يُّزَوِّجَهُ اِذَا بَلَغَ۔

[بیہقی عن ابن عباسؓ]

"بچے کا والد پر یہ حق ہے کہ اس کا اچھا نام رکھے اور اسے ادب سکھائے اور جب وہ بالغ ہو جائے تو اس کا نکاح کرائے"۔

اس سلسلے میں اسلام نے شادی کرنے کے معاملہ میں بھی والدین کی راہنمائی کی ہے ایک روایت میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِذَا جَآءَ کُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِیْنَهٗ وَخُلُقَهٗ فَزَوِّجُوْهُ۔ اِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا تَکُنْ فِتْنَةٌ فِی الْاَرْضِ وَفَسَادٌ کَبِیْرٌ۔ [ترمذی عن ابی ہریرہؓ]

"جب تمہارے پاس کوئی ایسا رشتہ آئے جس کا دین اور اخلاق تمہیں اچھا لگے تو بس نکاح کا بندوبست کردو۔ اگر تم اس طرح نہ کروگے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد برپا ہوگا"۔

ایک دوسری روایت میں فرمایا:

تُنْکَحُ الْمَرْأَةُ لِاَرْبَعٍ۔ لِجَمَالِهَا وَمَالِهَا وَنَسَبِهَا وَ دِیْنِهَا۔ فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّیْنِ تَرِبَتْ یَدَاکَ۔ [بخاری مسلم عن ابی ہریرہؓ]

"عورت سے چار وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے۔ اس کے جمال کی وجہ سے یا مال یا نسب یا دین کی وجہ سے۔ پس اس کی دینداری کی وجہ سے شادی کرکے کامیابی حاصل کرو[شفقت سے فرمایا] کہ تیرے ہاتھ خاک آلودہ ہوں"۔

قیادت و سرداری:

اسلام نے نوجوانوں کو امت کا سرمایہ قرار دیا ہے۔ یہ امت کے جیش کی قوت وطاقت، ان کی عزت کے قلعے، ان کی عزت و ناموس کے نگہبان اور ان کا بہترین ہتھیار ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قولاً اور عملاً اسی کی ترغیب دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر ساتھی نوجوان تھے۔ کیونکہ نوجوانوں کی عقل پاک و صاف اور یہ کھلے دل کے مالک جن میں فضول افکار نہیں۔ بوسیدہ تقلید نہیں، کھوٹے دل نہیں اور بد بودار سوچ نہیں ہوتی۔ یہی وہ لوگ تھے جو قبول اسلام میں پیش پیش رہے۔ دین کی نشر و اشاعت میں بہادری دکھانے اور قربانی دینے والے اور اس کے لیے ہر قسم کی تکلیف کو خندہ پیشانی سے گلے لگانے والے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوجوانوں کی حقیقت، ان کے جذبات اور ان کی قدر و قیمت کو جان لیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر جہاد میں، دعوت میں، معرکوں اور غزوات میں اعتماد کیا۔ انہیں

جنگوں میں بھیجا، دشمنوں کی گھات لگانے کے لیے منتخب کیا۔ اور انہیں ایسے ایسے لشکروں کا امیر و قائد بنایا جن میں اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین تھے، مہاجرین وانصار کے شیوخ تھے۔ چنانچہ اپنی وفات سے کچھ پہلے شام کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر ترتیب دیا جس کے قائد سترہ سالہ نوجوان اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ تھے اور اس لشکر میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابہ موجود تھے۔ اس طرح ہجرت سے پہلے مدینہ والوں کو دین سکھانے کے لیے آپ نے نوجوان معصب رضی اللہ عنہ بن عمیر کو ہی بھیجا تھا۔ فتح مکہ کے بعد مکہ کا والی اور قاضی آپ نے نوجوان عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو بنایا۔ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف قاضی بنا کر بھیجا۔ اور یہ دونوں عنفوان شباب میں تھے۔ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ مشہور کاتب وحی تھے وہ بھی نوخیز جوان تھے۔ اسی طرح غزوہ احد میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوجوانوں کی رائے پر عمل کیا تھا اور غزوہ احد کے لیے میدان میں نکل پڑے تھے اور منافقین یہ کہہ کر میدان جنگ سے واپس پلٹ گئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوجوانوں کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے ہماری رائے کو نظر انداز کر دیا۔

جوانی غنیمت:

جوانی کا مرحلہ انسانی زندگی کا اہم مرحلہ ہوتا ہے۔ نوجوان ایک زبردست قوت اور عظیم طاقت کا مالک ہوتا ہے جس کی حفاظت لازم ہے۔ اس قوت کو ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ اس لیے اسلام نے نوجوانوں کو اطاعت اور تحصیل علم میں لگا دینے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ جوانی ایک ایسی قوت ہے کہ اس کے فوت ہونے کے بعد اس کا کوئی نعم البدل نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوجوانوں کو یوں سبق دیا کہ:

اِغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ، حَيَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ وَصِحَّتَكَ قَبْلَ سَقَمِكَ، وَفَرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ، وَشَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ، وَغِنَاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ۔ [بیہقی عن ابن عباسؓ]

"پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے قبل غنیمت جانو۔ موت سے پہلے زندگی کو، بیماری سے پہلے صحت کو، مصروفیت سے پہلے فراغت کو، بڑھاپے سے پہلے جوانی کو اور فقر سے پہلے مالداری کو"۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نوجوان اپنی جوانی کو غنیمت سمجھے تاکہ وہ اپنے مستقبل کی حفاظت کر سکے اور اللہ نے جو اسے نعمتیں عطاء کی ہیں ان سے فائدہ اٹھا سکے۔ بالخصوص نوجوان دعوت وعمل کے میدان میں اللہ کی رضا مندی کے لیے کمر بستہ ہو جائے۔ کیونکہ یہ میدان تو خطرات سے ڈھکا ہوا ہے۔ آسان نہیں ہے بلکہ قربانی اور جان ومال کو خرچ کرنا مانگتا ہے۔ صبر اور جہاد، مجاہدات، شہادت اور بوجھ اٹھانا مانگتا ہے۔ تمام لوگوں میں سے صرف نوجوان ہی میں یہ طاقت ہے کہ وہ ان باتوں کو برداشت کر سکتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کو دعوت میں مکلّف بنایا ہے۔ تاریخ بھی شاہد ہے کہ ان ذمہ داریوں کا کما حقہ فریضہ ادا کرنے والے بھی نوجوان ہی تھے جو ملک وملت کے لیے سب کچھ لٹا کر اپنی جانوں پر کھیل گئے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جو نوجوان اپنے نفس کی حفاظت کرتا ہے تو اس کا اثر بڑی عمر میں بھی دیکھے گا اور آخرت میں پھر رب ذوالجلال کے سامنے سرخرو ہو گا اور جو نوجوان اپنی جوانی میں حرام کاموں میں لگا رہا اور شہوات میں ڈوبا رہا تو اس نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیا۔ اپنا وقت، اپنی عمر ضائع کر دی، اپنا نور ایمان بجھا دیا، اپنے جسم میں کمزوری وبزدلی دکھادی۔ اب اس کا مستقبل سیاہ، انجام بد، اب وہ اپنے آپ کو ملامت کرے کچھ بھی ہاتھ نہیں آتا عنقریب وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب میں گرفتار ہو گا جو دنیاوی تمام مصائب سے شدید اور تکلیف دہ ہے۔

جوانوں اور شیوخ وبزرگوں کے درمیان رابطہ:

اسلام نے اس بات کا بھی سبق دیا ہے کہ ایسے معاشرے کی بنیاد رکھی جائے جس کے افراد باہمی تعاون کے جذبہ سے سرشار ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَثَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ تَوَادِّهِمْ وَ تَرَاحُمِهِمْ وَ تَعَاطُفِهِمْ مِثْلُ الْجَسَدِ، إِذَا اشْتَكٰى مِنْهُ عُضْوٌ دَاعٰى لَهٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهْرِ وَالْحُمّٰى۔ [مسلم عن النعمان بن بشیرؓ]

"محبت، رحمت اور مہربانی میں مسلمانوں کی مثال آپس میں ایک جسم کی طرح ہے کہ جب ایک عضو کو تکلیف ہو تو جسم کے تمام اعضاء جاگتے میں اور بکار میں اس کا ساتھ دینے پر تیار ہو جاتے ہیں"۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے یوں بیان فرمایا:

می آدم اعضائے یک دیگرند — کہ در آفرینش زیک جوہرند
چو عضوئے بدرد آورد روزگار — دیگر عضو ہارا نماند قرار

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد سے یہ سکھایا کہ انسانیت کے تمام طبقات، جماعتوں، جنسوں، قوموں اور قبیلوں کے درمیان باہمی تعاون ہونا چاہیے۔ سب کے ہاتھ اکھٹے ہوں، دل ایک اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے ہوئے ہوں، اس سلسلے میں شریعت نے ایسے راستے کی راہنمائی کی جو اس مقصد تک پہنچائے اور ہر طرف سے اس تک سمٹ آئے۔ اس سے نوجوانوں اور بڑوں کے درمیان رابطہ مضبوط ہو گا۔ کوششیں اور طاقتیں اکھٹی ہو نگیں۔ ایک دوسرے کے ذوق و کیفیات جو اس میں اہم عنصر ہیں کی رعایت رکھی جائے گی۔ چنانچہ شریعت نے بڑوں پر لازم قرار دیا ہے کہ وہ چھوٹوں پر اور نوجوانوں پر رحم کریں۔ چھوٹوں اور نوجوانوں پر لازم قرار دیا کہ وہ بڑوں کی اور بوڑھوں کی عزت کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّا يُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا وَيَعْطِفْ عَلٰى صَغِيْرِنَا۔ [ترمذی عن انسؓ]

"وہ ہم میں سے نہیں جو بڑوں کا احترام اور چھوٹوں پر رحم نہ کرے"۔

اسی طرح بڑوں پر یہ واجب ہے کہ اُن کی طرف سے چھوٹوں اور نوجوانوں کو تعلیم و تربیت اور تہذیب ملتی رہے تاکہ وہ اس ذمہ داری کو اٹھائیں اور پھر یہی نوجوان ان کے بعد قیادت و جانشینی کے لیے تیار ہوں اور باہم تقسیم ہونے سے، خلل اور اولاد آنے والے خاندان کے کشمکش و جھگڑے سے بچ سکیں۔

آج ہم کوتاہی و غفلت کے بسبب نوجوانوں کا ضیاع، ان میں قلق و اضطراب اور انتشار دیکھ رہے ہیں۔ اجتماعیت میں ضعف و کمزوری، آپس میں جھگڑے اور اتحاد و اتفاق کی کمی اسی وجہ

سے ہے۔ یہاں تک ایک گھر کے افراد آپس میں دست و گریباں ہیں۔ سارے مسلمان کئی گروہوں اور مخالف جماعتوں میں بٹ گئے، بھائی بھائی کا دشمن، بیٹا باپ کا دشمن، بیٹی ماں باپ اور گھر کی دشمن ۔ ان تمام خطرات سے بچنے کا راستہ یہی ہے کہ ہم اسلامی تعلیمات کو فکری، اعتقادی الغرض ہر لحاظ سے لازم پکڑیں۔ نظم و نسق اور عبادت و شریعت کے لحاظ سے اس پر عمل پیرا ہوں۔ اسلام کے مطابق نوجوان کی تربیت امت کو متحد کرسکے گی۔

نوجوان قیمتی سرمایہ:

نوجوان امت کا سرمایہ، مستقبل کی امید اور وطن کا ذخیرہ ہے۔ امت کی اجتماعی زندگی کے کام کاج کی شہ رگ اور مستقبل کی بنیاد کے لیے زندہ عضو ہے۔ یہی نوجوان ہیں جن سے بڑی بڑی امیدیں وابستہ کی جاتی ہیں، مثلاً مفادات عامہ، ملکی دفاع اور مقدس مقامات کی آزادگی۔ یہی نوجوان ہیں جو جواں مردی اور بہادری کا سرچشمہ، شور وغل کرنے والے ببر شیر کی طرح چست و چالاک، وطن و دیار کے محافظ و نگہبان۔

یہی نوجوان ہیں جو آرزوؤں کی امید گاہ ہے۔ مستقبل کے خاندان کے سرتاج، حکومتی مناصب کے ذمہ دار، شاہی تخت و تاج کے علمبردار، ابواب علم کے مآل، معرفت کے خزانوں کی چابیاں حاصل کرنے والے، اسلام و دعوت کی شمع روشن کرنے والے اور آنے والے افراد کے لیے گزشتہ اسلاف کے صحیح جانشین ہیں۔

نوجوانان اسلام سے متعلق احادیث رسول ﷺ

نوجوانوں کے بارے میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اسلامی تحریک میں نوجوانوں کی ضرورت واہمیت کو محسوس کیا ہے، لیکن چونکہ کبھی کبھی نوجوان ایسے بھی ہوتے ہیں جو اسلامی تحریک کے کام کو نقصان پہنچاتے ہیں اور اس کا رخ ایک مسلم قوم پرستانہ سیاسی تحریک کی جانب موڑنے کا ذریعہ ثابت ہو سکتے ہیں۔ اور ایسے نوجوان بھی ہوتے ہیں جو اسلامی تحریک کے کام کو آگے بڑھاتے ہیں، اس کے دست و بازو بنتے ہیں اور حقیقی معنوں میں پاسبان اسلام کا کردار ادا کرتے ہیں، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر نوجوانوں کی تربیت اور ترغیب و فضیلت سے متعلق ہدایات و ارشادات عنایت فرمائے ہیں۔ ان میں سے ۱۰ احادیث اصل عربی متن اور ترجمے کے ساتھ نقل کی جاتی ہیں تاکہ نوجوان ان کو یاد کر لیں اور ان کو اپنے لیے مشعل راہ بنائیں اور قرآن کریم میں جن نوجوانوں کا ذکر ہوا ہے ان کے کارناموں سے بھی سبق حاصل کریں۔

۱۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "سات قسم کے لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے سایہ رحمت میں رکھے گا ان میں سے ایک ہے: شَابٌّ نَشَأَ فِي عِبَادَةِ اللهِ

"وہ نوجوان جس کی اٹھان اور پرورش اللہ کی عبادت میں ہوئی ہو"۔ [بخاری و مسلم]

سنن سعید بن منصور میں سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ اس طرح آئے ہیں:

سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللهُ فِي ظِلِّ عَرْشِهِ ـــــ وَشَابٌّ أَفْنَى شَبَابَهُ وَنَشَأَ فِي عِبَادَةِ اللهِ

[فتح الباری ص ۸۵ ج ۲]

"سات قسم کے لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے عرش کے سائے میں رکھے گا۔ ان میں سے ایک وہ نوجوان ہے جس نے اپنی جوانی اور اپنی امنگیں اور خوشیاں اللہ کی عبادت میں پوری کی ہوں"۔

اس حدیث میں نوجوانوں کو ان کی زندگی اور جوانی کا اصل مقصد اور مصرف یاد دلایا گیا ہے جو کہ اللہ کی عبادت ہے۔ عبادت صرف نوجوانوں کی زندگی کا مقصد نہیں ہے بلکہ تمام انس و جن کی تخلیق کا مقصد ہے لیکن چونکہ جوانی کی حالت میں نفس و شیطان سے بچنا مشکل ہوتا ہے، اس لیے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو نوجوان اپنی جوانی عبادت میں گزارتا ہے اور اپنی جوانی کا جوش و نشاط اللہ کی بندگی کے کاموں میں پورا کرتا ہے تو اس کو عرش کے سائے میں جگہ دی جائے گی یعنی اسے کرامت و شرافت کا ممتاز مقام ملے گا۔ ایسا نوجوان بلا شبہ "ولی اللہ" کے مقام اور مرتبے پر فائز ہوگا جس کی جوانی پاک و صاف رہی ہو اور اپنے رب کی عبادت میں گزری ہو۔ یاد رکھنا چاہیے کہ عبادت صرف نماز، روزے کا نام نہیں ہے بلکہ ہمہ وقتی غلامی، بندگی اور فرمانبرداری کا نام عبادت ہے۔ البتہ یہ حقیقت ہے کہ عبادت کے جامع مفہوم اور دین کے جامع تصور میں نماز، روزے، زکوۃ حج اور جہاد کو بنیادی اور اساسی حیثیت حاصل ہے۔

۲۔ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ ﷺ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم اِنَّ اللهَ لَيُعْجِبُ عَنِ الشَّابِ الَّذِيْ لَيْسَ لَهٗ صَبْوَةٌ۔ [مسند احمد: ۱۵۱/۴ و مسند ابو یعلی: ۲۸۸/۳]

"سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ اس نوجوان کی حالت پر خوش ہوتا ہے جس کے اندر بُری خواہشات کی جانب میلان موجود نہ ہو۔"

یعنی جس نوجوان کی طبیعت جوانی کے باوجود گناہ کی طرف مائل نہ ہوتی ہو، اس کی حالت کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے کہ اس کی جوانی کتنی عجیب ہے کہ نوجوان ہونے کے باوجود یہ پختہ عمر کے سنجیدہ اور پرہیزگار لوگوں کی طرح باوقار زندگی گزار رہا ہے۔

۳۔ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ ﷺ قَالَ قَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَائَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَاِنَّهٗ اَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَاَحْصَنُ لِلْفَرْجِ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَاِنَّهٗ لَهٗ وِجَآءٌ۔ [بخاری و مسلم کتاب النکاح]

"سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا اے نوجوانو! تم میں سے جو نکاح کی استطاعت رکھتا ہو تو وہ شادی کر لے اس لیے کہ یہ نگاہوں کو قابو میں رکھنے کا ذریعہ ہے اور شرم گاہ کو گناہ سے بچانے کا ذریعہ ہے اور جو نکاح کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو وہ روزے رکھے کیونکہ روزہ جنسی شہوت کو کم کر دیتا ہے"۔

یہ ہدایت نوجوانوں کی عفت و عصمت کو محفوظ رکھنے کے لیے دی گئی ہے جو ایک مسلمان نوجوان کا بڑا قیمتی خزانہ ہے۔ ازدواجی زندگی سے نوجوان کی عفت و پاکدامنی اور شرم و حیا کی دولت محفوظ ہو جاتی ہے اور تجرد کی زندگی اختیار کرنے سے بُری گھناؤنی اخلاقی بیماریاں رونما ہوتی ہیں اور فروغ پاتی ہیں۔ عیسائی راہبوں نے فطرت کے خلاف عورتوں سے بے تعلق رہنے اور شادی نہ کرنے کا جو طریقہ ایجاد کیا تھا وہ آخر کار ان کی خلوت گاہوں میں جنسی جرائم کے فروغ پانے کا ذریعہ ثابت ہوا اور آج بھی ان کی جنسی بے راہ روی کے قصے شائع ہوتے رہتے ہیں۔ اسلام دین فطرت ہے اس لیے اس نے ازدواجی زندگی اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور تجرد کی زندگی کی مذمت کی ہے اور اگر جو نوجوان نکاح کی استطاعت نہیں رکھتے ان کو روزے رکھنے کی ترغیب دی ہے تاکہ طبعی شہوت کم ہو اور ضبط نفس کی عادت پیدا ہو جائے۔

۴۔ عَنْ اِبْنِ عَباسٍ ﷺ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ حَيَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ وَ صِحَّتَكَ قَبْلَ سَقْمِكَ وَ فَرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ وَ شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ وَغِنَاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ۔ [مسند حاکم ص ۳۰۴ ج ۴ ووافقہ الذہبیؒ]

"سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں کے آنے سے پہلے غنیمت سمجھو! زندگی کو موت سے پہلے، صحت کو مرض سے پہلے، فراغت کو مشغولیت سے پہلے، جوانی کو بڑھاپے سے پہلے اور غنا کو فقر سے پہلے"۔

زندگی، صحت، و تندرستی، فراغت، جوانی اور مالی کشادگی وہ چیزیں ہیں جو جانے والی ہیں، اس لیے ان کو غنیمت سمجھ کر بے مقصد اور لایعنی کاموں میں ضائع کرنے سے اجتناب

کرنا چاہیے اور ان کو اپنے مالک و مولا کی خوشنودی حاصل کرنے اور اپنی آخرت کو سنوارنے کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔ جوانی دوبارہ نہیں آسکتی اور بڑھاپے میں اتنی محنت نہیں کی جاسکتی جو جوانی میں کی جاسکتی ہے۔ اس لیے حدیث میں شباب کا ذکر بطور خاص کیا گیا ہے۔

۵۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم لَاتَزُوْلُ قَدَمَا عَبْدٍ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ حَتّٰی یُسْأَلَ عَنْ خَمْسٍ عَنْ عُمْرِہٖ فِیْمَا اَفْنَاہُ وَعَنْ شَبَابِہٖ فِیْمَا اَبْلَاہُ وَعَنْ مَالِہٖ مِنْ اَیْنَ اِکْتَسَبَہٗ وَفِیْمَا اَنْفَقَہٗ وَعَنْ عِلْمِہٖ مَاعَمِلَ فِیْہِ [ترمذی کتاب الرقاق]

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"قیامت کے روز کسی بندے کے قدم اپنی جگہ سے ہٹ نہیں سکتے جب تک کہ اس سے پانچ چیزوں کے بارے میں پوچھ نہ لیا جائے۔ عمر کے بارے میں کہ کونسے کاموں میں پوری کی تھی، جوانی کے بارے میں کہ کن کاموں میں گزاری تھی، مال کے بارے میں کہ کہاں سے کمایا تھا اور کہاں خرچ کیا تھا اور علم کے بارے میں کہ اس پر کتنا عمل کیا تھا"۔

انسانی زندگی میں عمر، جوانی، مال اور علم کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، یہ چاروں چیزیں نجات و سعادت کا وسیلہ بھی ثابت ہو سکتی ہیں، اگر ان کا شکر ادا کیا جائے اور عذاب و شقاوت کا ذریعہ بھی ثابت ہو سکتی ہیں اگر ان کی ناشکری کی جائے۔ جن نوجوانوں نے اپنی جوانی غفلت، آوارگی اور حیوانی خواہشات پوری کرنے میں برباد کردی ہو وہ سراسر خسارے میں رہیں گے، لیکن جن خوش نصیب نوجوانوں نے اپنی جوانی اللہ کی بندگی میں اور اس کے دین کے سربلندی میں گزاری ہو وہ سب سے زیادہ فائدہ میں رہیں گے۔

۶۔ عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم مَامِنْ نَاشِیٍٔ یَنْشَأُ فِی الْعِبَادَۃِ حَتّٰی یُدْرِکَہُ الْمَوْتُ اِلَّا اَعْطَاءَ اللّٰہُ اَجْرَ تِسْعَۃً وَّتِسْعِیْنَ صَدِیْقًا۔

[المعجم الاوسط للطبرانی طبع ریاض ۱۹۸۵ء ص ۴۳۶ ج ۱]

"سیدنا ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں ہے کوئی بھی نوجوان جس کے اٹھان اور پرورش اللہ کی عبادت میں ہو رہی ہو یہاں تک

کہ اس پر موت آجائے مگر اللہ تعالیٰ اس کو ۹۹ صدیقوں کا اجر دے گا۔"

صدیقین ان کو کہتے ہیں جو ایمان و عمل میں کھرے، سچے، راست گو، راست باز اور سنت و شریعت کی بڑی سختی کے ساتھ پابندی کرنے والے ہوں، ان کا مرتبہ انبیاء علیہم السلام کے بعد ہے اور انہی کو اولیاء اللہ کہا جاتا ہے۔ جوانی میں عبادت کی پابندی کرنا بہت بڑے عزم و ہمت اور ضبط نفس کا متقاضی ہے اور جس نوجوان نے موت تک اپنے اس عزم اور ضبط کو برقرار رکھا ہو تو یہ نہ صرف صدیق اور ولی اللہ بن جاتا ہے، بلکہ اس کا اجر اُن ۹۹ اولیاء اور صدیقوں کے برابر ہو گا جنہوں نے صدیقیت کا یہ مقام بڑھاپے میں حاصل کیا ہو۔

۷۔ عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْاَسْقَعِ ﷺ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ خَیْرُ شَبَابِکُمْ مَنْ تَشَبَّہَ بِکُھُوْلِکُمْ وَشَرُّ کُھُوْلِکُمْ مَنْ تَشَبَّہَ بِشَبَابِکُمْ۔

[مسند ابو یعلی طبع بیروت ۱۹۸۸ء ص ۶۷۴ ج ۱۳، المعجم الکبیر للطبرانی ص ۳ ج ۲۲]

"سیدنا واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے نوجوانوں میں سے بہترین نوجوان وہ ہیں جو پختہ عمر والوں کی طرح پختہ کردار والے ہوں او تمہارے پختہ عمر والوں میں سے بدترین لوگ وہ ہیں جو نوجوانوں کی طرح ناپختہ اور کچے کردار والے ہوں"۔

کہولت کی عمر ۳۰ سے پچاس سال کے درمیان ہوتی ہے۔ اس عمر میں بالعموم انسان کی عقل، مزاج، طبیعت اور اعصاب پختگی آجاتی ہے، طفلانہ و بچگانہ اور کچے کردار و گفتار کی عادت ختم ہو جاتی ہے اور متانت و سنجیدگی کی باوقار ذمہ دار زندگی کا دور شروع ہو جاتا ہے لیکن کچھ خوش قسمت ایسے بھی ہوتے ہیں جو جوانی کی عمر میں بھی پختہ ہوتے ہیں۔ یعنی عمر میں تو کچے ہوتے ہیں مگر کردار کے پکے ہوتے ہیں۔ ایسے نوجوانوں کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے "بہترین نوجوان" کہا ہے جو بہت بڑا اعزاز ہے اور بہت بڑی سعادت ہے۔ دوسری طرف کچھ بد قسمت ایسے بھی ہوتے ہیں جو پختہ عمر میں بھی کردار کے کچے ہوتے ہیں اور آوارہ نوجوانوں کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں۔ ایسے ادھیڑ عمر والوں کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

"بدترین لوگ" کہا ہے جو بہت بُرا خطاب ہے اور بہت بڑی شقاوت ہے۔

۸۔ عَنْ اِبْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اِنَّ اللہَ یُحِبُّ الشَّبَابَ الَّذِیْ یَفْنِیْ شَبَابَہٗ فِیْ طَاعَةِ اللہِ عَزَّوَجَلَّ۔

[حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء طبع بیروت ۱۹۸۷ء ص ۳۶۰ ج ۵]

"سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ اس نوجوان سے محبت کرتا ہے جس نے اپنی جوانی اللہ کی اطاعت میں فنا کر دی ہو"۔

"فنا فی اللہ" صوفیاء کی ایک اصطلاح ہے جسے غالی اور جاہل قسم کے صوفیاء غلط معنوں میں استعمال کرتے ہیں لیکن اس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ دل و جان سے اللہ کی اطاعت کرنا اور اس کی محبت اور رضا کی طلب میں اپنی خواہشات کو قربان کرنا۔ تو جو نوجوان اللہ کی رضا کے حصول کے لیے اس کی اطاعت میں اپنی جوانی کو فنا کر دیتا ہو وہ صحیح معنوں میں "فنا فی اللہ" کے درجے پر فائز ہو جاتا ہے، اللہ اس سے محبت کرتا ہے اور وہ حقیقی معنوں میں "ولی اللہ" ہوتا ہے۔

۹۔ عَنْ طَلْحَةَ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ اللہَ یُبَاھِیْ بِالشَّابِ الْعَابِدِ الْمَلَائِکَةَ یَقُوْلُ اُنْظُرُوْا اِلٰی عَبْدِیْ تَرَکَ شَھْوَتَہٗ مِنْ اَجْلِیْ۔ [کنز العمال ص ۷۷۶ ج ۱۵]

"سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ عبادت گزار نوجوان پر فرشتوں کے سامنے فخر کرتا ہے اور فرماتے ہیں کہ میرے اس بندے کو دیکھو جس نے میرے لیے اپنی نفسانی خواہش کو چھوڑ دیا ہے"۔

اس سے بڑی سعادت اور کیا ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کی مجلس میں خود کسی کا ذکر خیر کرے اور اسی کی عبادت اور بندگی پر فخر کرے۔ یہ بلند مقام اسی نوجوان کو مل سکتا ہے جو اپنی جوانی کو اللہ کی عبادت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں گزارتا ہو۔ بے مقصد اور لایعنی قسم کے شور و شغب اور لہو و لعب میں اپنی قیمتی جوانی کو ضائع اور برباد

نہ کرتا ہو بلکہ اس کو غنیمت سمجھ کر اپنی آخرت کے لیے سرمایہ جمع کر رہا ہو۔

۱۰۔ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ﷺ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَضْلُ الشَّابِ الْعَابِدِ الَّذِیْ یَعْبُدُ فِیْ شَبَابِهٖ عَلَی الشَّیْخِ الَّذِیْ یَعْبُدُ بَعْدَ مَا کَبِرَتْ سِنُّهٗ کَفَضْلِ الْمُرْسَلِیْنَ عَلٰی سَائِرِ النَّاسِ۔ [الفردوس للدیلمی طبع بیروت ۱۹۹۶ء ص ۱۳۲ ج ۳]

"سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس عبادت گزار نوجوان کی فضیلت جس نے اپنی جوانی میں بھی عبادت کی ہو، اس بوڑھے پر جس نے بڑھاپے میں عبادت شروع کی ہو اتنی زیادہ ہے جتنی کہ اللہ کے رسولوں کی فضیلت باقی لوگوں پر ہے"۔

یہ ایک ترغیبی حدیث ہے جس کا مقصد نوجوانوں کو عبادت پر آمادہ کرنا ہے اور یہ ایک حقیقت بھی ہے کہ جوانی کی عبادت کو بڑھاپے کی عبادت پر بہت زیادہ فوقیت حاصل ہے۔

ان احادیث میں جن جوانوں کی فضیلت کا ذکر ہے اس سے مراد وہ جوان ہیں جنہوں نے جوانی میں عبادت اور دین کی دعوت واقامت کا کام شروع کیا ہو اور بڑھاپے میں بھی حسب استطاعت وہ کام جاری رکھا ہو یہاں تک کہ اسی عبادت ودعوت کے کام پر دار فانی کو چ کر گئے اور جن بوڑھوں کا درجہ اور مرتبہ جوانوں سے کم تر بتایا گیا ہے ان سے مراد وہ بوڑھے ہیں جنہوں نے عبادت اور دعوت کا کام بڑھاپے میں شروع کیا ہو اور موت تک اس کام کو جاری رکھا ہو مگر ان کی جوانی عبادت ودعوت کے کام سے غفلت میں گزری ہو۔

اصل کی طرف رجوع:

قوموں کی زندگی محض حال و مستقبل ہی سے وابستہ نہیں ہوتی، ان کے ماضی بھی ان کی پہچان اور راہ نمائی کا ایک موثر ذریعہ ہوتا ہے۔ زندہ و بیدار قومیں دوسروں کی نقالی میں اپنی ماضی کی نفی کرنے کی بجائے اس سے پیوستہ رہتی ہیں۔ ایسی قوموں کی سنہری روایات نسل جدید کی جانب منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ ہماری تاریخ تو اللہ کے فضل سے شان دار ہے۔ بد قسمتی سے ہمارے حکمران اس سے بے خبر اور غیروں کی ذہنی غلامی میں مبتلا ہیں۔ آج ہم امت مسلمہ

کے نوجوانوں کو اپنے ماضی کی طرف رجوع کرنے کی دعوت دینا چاہتے ہیں۔

نوجوان کسی بھی قوم کا سب سے قیمتی سرمایہ ہوتے ہیں۔ جو قومیں اپنی نوجوان نسل کی مناسب تعلیم وتربیت کا اہتمام نہ کر سکیں، وہ اپنی عزت کھو بیٹھتی اور اپنے روشن مستقبل سے محروم ہو جاتی ہیں۔ بیدار مغز قیادت ہمیشہ نسل نو کے لیے ایسا ماحول فراہم کرتی ہے، جس میں اپنے بنیادی عقائد و نظریات کی آبیاری ہو۔ صحت مند معاشرہ اپنی منزل کا تعین کرکے یکسوئی کے ساتھ اس کی جانب گامزن ہوتا اور اپنے تابناک ماضی سے آنے والی نسلوں کا رشتہ جوڑے رکھنے کا بھرپور اہتمام کرتا ہے۔ جن امتوں کا حال ان کے ماضی سے لاتعلق ہو، ان کا مستقبل بے یقینی کا شکار ہوا کرتا ہے۔

اخلاص قول و عمل:

ہم اللہ کے فضل سے اتنا شان دار ماضی رکھتے ہیں کہ اس کی روشنی میں ہم مستقبل کی راہیں متعین کریں تو ہر جانب روشنی پھیل جائے۔ ہمارے پاس ہدایت ربانی کے دو ایسے سر چشمے موجود ہیں، جس کے ہوتے ہوئے ہم کبھی گمراہ، ذلیل نہیں ہو سکتے لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ ہم محض اپنے ورثے پر فخر و مباہات ہی میں گم ہو کر نہ رہ جائیں بلکہ اسے حرز جان بنائیں۔ اس کے اوامر ونواہی کو دل و جان سے تسلیم کریں اور اس کے جامع نظام کو بلا کم وکاست پورے اخلاص کے ساتھ زندگی کے ہر شعبے میں اپنالیں۔ اپنے آباو اجداد پر فخر کرنا بجا ہے مگر وہ فخر باعثِ ننگ و عار ہوتا ہے، جس میں اخلاف اپنے اسلاف کی راہ سے ہٹے ہوئے ہوں، سیدنا علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب نے کیا خوب فرمایا تھا:

اِنَّمَا الْفَتٰی مَنْ يَّقُوْلُ هَا اَنَا ذَا   وَلَيْسَ الْفَتٰی مَنْ يَّقُوْلُ كَانَ اَبِیْ

[جواں مرد تو وہ ہے جو میدان میں نکل کر کہے کہ میں چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لیے موجود ہوں، وہ کوئی جواں مرد نہیں جو مشکل گھڑیوں میں یہ ڈینگیں مارتا پھرے کہ میرے آب واجداد ایسے تھے اور ویسے تھے۔]

اے مسلم نوجوانو!

عالم اسلام میں عالم کفر کے مقابلے میں نوجوانوں کا تناسب کہیں زیادہ ہے۔ اپنی نوجوان نسل کی وجہ سے امت مسلمہ بہت بڑا سرمایہ اپنے دامن میں رکھتی ہے، لیکن اغیار ہمیں ہماری تاریخ سے کاٹنے کی مسلسل کوشش میں ہیں۔ واحسرتا! چوکیدار چوروں سے مل گئے ہیں بلکہ حقیقت میں چور ہی چوکیدار بن گئے ہیں۔ ہمارا تحفظ اس بات میں ہے کہ ہم اپنی اصل کو پہچانیں، نہ کہ ہم دوسروں کی نقالی کریں۔ مغرب نے ہمارے نظریات کی بیخ کنی کے لیے خوب سوچ سمجھ کہ یہ منصوبہ بندی کی ہے کہ امت مسلمہ کی نوجوان کو فحاشی و عریانی، بے حیائی اباحیت اور بدکاری، عیاشی کا رسیا بنا دیا جائے۔ تفریح کے نام پر ایسا مذموم مواد ذہنوں میں انڈیلا جارہا ہے کہ جو زہر ہلاہل سے بھی زیادہ مہلک ہے۔ ہمیں اپنی نوجوان نسل کو اپنے اسلاف سے جوڑنے کے لیے سنجیدہ کوشش کرنی چاہیے۔علامہ اقبال نے بڑے دردِ دل کے ساتھ اپنی مشہور زمانہ نظم "خطاب نوجوانان اسلام" میں مسلم نوجوان کو اس کا مقام یاد دلایا تھا، چند اشعار ملاحظہ فرمایئے:

کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تو نے؟
وہ کیا گردوں تھا، تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا؟
تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوش محبت میں
کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاج سردارا
تمدن آفریں، خلّاقِ آئینِ جہاں داری
وہ صحرائے عرب، یعنی شتر بانوں کا گہوارا
گدائی میں بھی وہ اللہ والے تھے غیور اتنے
کہ منعم کو گدا کے ڈر سے بخشش کا نہ تھا یارا
تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تو گفتار، وہ کردار تو ثابت، وہ سیارا
گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا
حکومت کا تو کیا رونا کہ وہ اک عارضی شے تھی
نہیں دنیا کے آئینِ مسلّم سے کوئی چارا
مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارا

ہم بھی چاہتے ہیں کہ نوجوان نسل کو اس دور سعید سے جوڑ دیا جائے جیسے خیر القرون کہا گیا ہے، وہ دور کہ جب آسمان سے زمین پر راہ راست وحی کی روشنی اترتی تھی اور اس روشنی میں پروان چڑھنے والی نسل جیل القرآن کہلائی۔

حقیقی نوجوان:

بعض لوگ یہ بحث چھیڑ دیتے ہیں کہ جوان کون ہے۔ بلا شبہ عمر کا وہ حصہ جس میں صلاحیتیں مسلسل پروان چڑھتی جاتی ہیں، جسم و جان اور دل و دماغ کی قوتیں جو بن پر ہوتی ہیں اور کچھ کر گزرنے کا سودا سر میں سمایا ہوتا ہے، اسی کو دور جوانی کہا جاتا ہے۔ اس معروف تعریف کے ساتھ یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ بسا اوقات ماہ و سال کے پیمانوں سے ناپیں تو کوئی شخص نوجوان کہلانے کا مستحق ٹھہرے گا لیکن قلب و جگر اور جذبات و عزائم کو پرکھیں تو وہ جوان بوڑھا ثابت ہوگا۔ اس کے برعکس بعض سفید ریش، عمر رسیدہ افراد اپنی حرارت ایمانی اور حمیت دینی کی وجہ سے تازہ دم اور نوجوان کہلانے کے مستحق ٹھہریں گے۔ یوں بیس سالہ بوڑھے اور ستر سالہ جوان بھی تلاش کئے جا سکتے ہیں۔ ہم ان نوجوانوں کو مخاطب کرنا چاہ رہے ہیں کہ جن کی جوانیاں بھی بے داغ ہوں اور ضرب کاری کی صلاحیت بھی رکھتے ہوں۔

وہی جواں ہے قبیلے کی آنکھ کا تارا
شباب جس کا ہے بے داغ، ضرب ہے کاری

ہمارے ہیرو کون؟

ہمارے ہیرو اور مثالی شخصیات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے بڑھ کر اور کون ہو سکتے ہیں؟ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین تو آسمان ہدایت کے ستارے تھے، روشنی کے مینار تھے، شمعِ رسالت کے حقیقی پروانے تھے، غرض حاصل کائنات تھے، صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی زندگیوں کو ہر عنوان کے تحت بیان کیا جا سکتا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ آنحضور کے جاں نثار تھے اور ساتھ ہی ساتھ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب بھی تھے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا باہمی تعلق اتنا مثالی تھا کہ تاریخ عالم اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ کارکنان کو اپنے قائد پر مکمل اعتماد تھا اور قائد کو اپنے کارکنان پر ناز تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین ستاروں کی مانند ہیں تم جس کی بھی پیروی کرو

گے راہ ہدایت پا جاؤ گے۔ وہ کفار کے مقابلے پر شدید تھے اور آپس میں رحیم تھے۔ کیوں نہ ہوں وہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے پیروکار جو تھے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ساری کائنات کے لیے رحمت ہی رحمت ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنوں پر تو مہربان تھے ہی مگر غیروں کے لیے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت ہمیشہ رہی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جان چھڑکتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کی ہر چیز سے محبوب گردانتے تھے اور ان میں سے کوئی بھی یہ سوچ تک نہ سکتا تھا کہ اس کی مصیبت ٹل جائے اور بدلے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم گرفتار بلا ہو جائیں۔ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے ساتھ اتنی بے پناہ محبت تھی کہ اس کی مثال کہیں نہیں مل سکتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے بیش تر لوگ بالکل نوخیز اور نو عمر تھے۔ تاریخ اسلام بلکہ تاریخ انسانیت میں ہمیشہ حق کا ساتھ دینے والوں کے ہراول دستے میں نوجوان ہی نظر آتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اپنے اپنے خاندانوں میں سے یوں چھن چھن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہوتے گئے کہ تاریخ ورطہ حیرت میں ڈوب گئی۔ بڑے بوڑھے اور سردار دشمن تھے مگر نوجوان شمع رسالت کے پروانے بن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد منڈلاتے رہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل دیگر انبیاء کے ابتدائی ساتھیوں کی بڑی تعداد بھی جوانوں پر ہی مشتمل نظر آتی ہے۔

نوعمر صحابہؓ اور اقامت دین

انقلابات کی تاریخ گواہ ہے کہ ہمیشہ نوجوان طبقہ ان کی طرف بڑھتا رہا ہے، وجہ یہ ہے کہ ان کے ذہن و دماغ پرانے سانچوں میں اس طرح نہیں ڈھلے ہوتے کہ ان کا بدلنا آسان نہ ہو۔ پھر اسی طبقے میں کام کرنے کا ولولہ اور انقلاب لانے کی امنگ ہوتی ہے، یہ عزم جوان اور ہمتِ بلند رکھتے ہیں۔ ان کی رگوں میں گرم خون ہوتا ہے۔ وہ مصلحت پرستی کی بیماری سے پاک ہوتے ہیں اور ان کے دست و بازو میں وہ آہنی قوت ہوتی ہے جو انھیں پہاڑوں سے ٹکرانے ،حالات کا رخ موڑ دینے، مصائب و مشکلات جھیلنے ،قربانیوں پر قربانیاں دینے اور مسلسل سعی و جہد کرنے کے قابل بناتی ہے۔ یہ اوصاف ہر انقلاب کے لیے ناگزیر ہیں اور یہ اوصاف بالعموم نوجوانوں میں ہوتے ہیں۔

اسلامی انقلاب کی تاریخ بھی اس حقیقت کی شاہدِ عدل ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت پر عملاً لبیک کہنے والے بنی اسرائیل کے کچھ سر پھرے نوجوان ہی تھے جنھوں نے دعوتِ موسوی قبول کرکے فرعون جیسے ظالم و مستبد فرماں روا کے ظلم و ستم کا نشانہ بننے کے لیے خود کو آگے کر دیا تھا۔ بنی اسرائیل کی قوم اگرچہ پوری کی پوری مسلمان قوم تھی مگر بگاڑ اور زوال کا بری طرح شکار ہو چکی تھی اور غلامی کی فضا میں عرصۂ دراز تک رہنے کے باعث جرأت بے باک اور عزم بلند کھو چکی تھی۔ فرعون اور قوم فرعون کے مظالم کا تختہ مشق بننے کے باعث ان میں یہ حوصلہ نہ رہا تھا کہ وہ اقتدار کے خلاف کوئی اقدام کر سکیں، وہ وقت کے اقتدار کے آگے سر بہ سجود ہو چکے تھے اور اللہ رب العالمین کے بجائے فرعون اور قوم فرعون سے ترساں و لرزاں رہتے تھے۔ چنانچہ جب دعوت موسوی بلند ہوتی تو اسے حق جاننے کے باوجود عزمِ جوان اور مصلحت نہ شناس عقل رکھنے والے کچھ نوجوان ہی آگے بڑھے جبکہ قوم کے بڑے بوڑھے انہیں روکتے ہی رہے کہ کیا کر رہے ہو۔۔۔ قوم فرعون تمھارے خلاف ہو جائے گی اور تمھیں ظلم و ستم کی چکی میں پیس کر رکھ دے گی۔

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِى الْاَرْضِ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ۔ [یونس، ۸۳]

تو موسیٰ علیہ السلام کی دعوت پر لبیک نہ کہا مگر ان کی قوم کے کچھ نوجوانوں نے، فرعون اور اپنے اکابر کے خوف کے باوجود کہ فرعون انھیں مصائب میں مبتلا نہ کردے، یقینا فرعون زمین میں اقتدار رکھتا تھا اور ظالم اور حد سے گزرنے والا تھا۔

یہی حال محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا تھا، اس پر لبیک کہنے والوں کی عظیم ترین اکثریت نوجوانوں کی تھی، سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہما کو چھوڑ کر، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ اور غیر معمولی خاتون تھیں، اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ، میں سب ہی لوگ چالیس سال سے کم تھے، ان میں سب سے بزرگ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ تھے جو ایمان لاتے وقت بہ مشکل سینتیس اڑتیس سال کے تھے، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تیس بتیس سال کے تھے، سیدنا عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ تیس سال سے کچھ ہی متجاوز تھے، پھر اس عمر کے لوگ ہی چند ہی تھے ورنہ عظیم اکثریت تیس سال سے کم عمر رکھنے والوں کی تھی اور ان میں ایسے لوگ بہت زیادہ تھے جن کی عمر ایمان لاتے وقت بیس سال سے بھی کم تھی۔ ایمان لانے والوں میں بوڑھوں کی تعداد بہت کم تھی، نہ ہونے کے برابر اور یہ ایمان بھی لائے تو بہت بعد میں، اپنی اولاد کے ایمان لانے کے نتیجے میں یا اسلامی اقتدار سے مرعوب ہو کر اور ان میں بھی بہت سے منافقین اور ضعفاء تھے جو اپنی اولاد اور اعزہ کی محبت کی وجہ سے مسلم معاشرے سے کٹنا نہ چاہتے تھے۔ مگر اسلام کی راہ میں قربانیاں دینے کو تیار نہ تھے اور اسلام پیہم قربانیوں کا مطالبہ کر رہا تھا۔ یہی نہیں، وہ اپنی قوم کے نوجوانوں کو سر پھرا اور دیوانہ سمجھتے تھے کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والہانہ اطاعت اور اقامت دین کی راہ میں اُن کے خیال کے مطابق اپنا مستقبل اور اپنی دنیا تباہ کر رہے تھے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ۔ [بقرہ ۱۳]

"جب ان منافقین سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ جس طرح مخلص لوگ ایمان لائے تو وہ کہتے ہیں کہ کیا ہم ایمان لائیں جیسے کہ بے وقوف ایمان لائے ؟ سنو ! یقینا یہی منافقین بے وقوف ہیں، مگر یہ نہیں جانتے"۔

یہی سر پھرے اور مصلحت نا اندیش نوجوان تھے جو قریش مکہ اور پھر پورے عرب سے ٹکرا گئے اور بالآخر انہوں نے سرزمین عرب میں اسلام کو غالب و سربلند کر دیا۔ پھر یہی لوگ عزمِ جواں لے کر اٹھے اور ایرانی شہنشاہی اور رومن ایمپائر سے۔۔۔جو دنیا کی بیک وقت عظیم ترین طاقتیں تھیں، ٹکرا گئے اور ان کے اقتدار کو الٹ کر متمدن دنیا کے بہت بڑے حصے پر اسلام کو غالب و سربلند کر کے چھوڑا اور پھر خلافتِ راشدہ کا وہ بے مثال نظام قائم کیا جس کی کوئی نظیر انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ اسلام اور اصلاحی تحریک کو ایسے ہی عزمِ جواں اور حرارت بے باک رکھنے والے نوجوانوں کی ضرورت ہے۔

ہر دور میں جواں جذبے:

"سورۃ یونس میں لفظ ذریۃ استعمال ہوا ہے جس کے معنی اولاد کے ہیں۔ ہم نے اس کا ترجمہ نوجوان کیا ہے۔ مگر دراصل اس خاص لفظ کے استعمال سے جو بات قرآن مجید بیان کرنا چاہتا ہے وہ یہ ہے کہ اس پُر خطر زمانے میں حق کا ساتھ دینے اور علم بردار حق کو اپنا راہ نما تسلیم کرنے کی جرأت چند لڑکوں اور لڑکیوں نے تو کی مگر آباؤ اجداد اور قوم کے سن رسیدہ لوگوں کو اس کی توفیق نصیب نہ ہوئی۔ ان پر مصلحت پرستی اور دنیوی اغراض کی بندگی اور عافیت کوشی کچھ اس طرح چھائی رہی کہ وہ ایسے حق کا ساتھ دینے پر آمادہ نہ ہوئے جس کا راستہ ان کو خطرات سے پُر نظر آرہا تھا، بلکہ وہ الٹے نوجوانوں ہی کو روکتے رہے کہ موسیٰؑ کے قریب نہ جاؤ ورنہ تم خود بھی فرعون کے غضب میں مبتلا ہو گئے اور ہم پر بھی آفت لاؤ گے۔

یہ بات خاص طور پر قرآن نے نمایاں کر کے اس لیے پیش کی ہے کہ مکہ کی آبادی میں سے بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دینے کے لیے جو لوگ آگے بڑھے تھے وہ قوم کے بڑے بوڑھے اور سن رسیدہ لوگ نہ تھے بلکہ چند باہمت نوجوان ہی تھے۔ وہ ابتدائی مسلمان جو ان

آیات کے نزول کے وقت ساری قوم کی شدید مخالفت کے مقابلے میں صداقت اسلام کی حمایت کر رہے ہے اور ظلم و ستم کے اس طوفان میں جن کے سینے اسلام کے لیے سپر بنے ہوئے تھے ان میں مصلحت کوش بوڑھا کوئی نہ تھا، سب کے سب جوان لوگ ہی تھے۔ علی ابن ابی طالب، جعفر طیار ،زبیر، طلحہ ،سعد بن ابی وقاص، مصعب بن عمیر اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم اجمعین جیسے لوگ قبول اسلام کے وقت ۲۰ سال سے کم عمر کے تھے۔ عبد الرحمٰن بن عوف، بلال اور صہیب رضی اللہ عنہم اجمعین کی عمریں ۲۰ اور ۳۰ کے درمیان تھیں۔ ابو عبیدہ بن الجراح، زید بن حارثہ، عثمان بن عفان اور عمر فاروق رضی اللہ عنہم اجمعین ۳۰ اور ۳۵ سال کے درمیان عمر کے تھے۔ ان سے زیادہ سن رسیدہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے اور ان کی عمر بھی ایمان لانے کے وقت ۳۸ سال سے زیادہ نہ تھی۔ ابتدائی مسلمانوں میں صرف ایک صحابی کا نام ہمیں ملتا ہے، جن کی عمر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تھی، یعنی سیدنا عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ مطلبی اور غالباً پورے گروہ میں عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم عمر تھے۔

ہمارا حقیقی اسلحہ :

نوجوان صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے اسلامی انقلاب برپا کرنے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھرپور ساتھ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے ان صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین پر بڑا ناز تھا۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم وقتاً فوقتاً ان کی حوصلہ افزائی بھی فرماتے رہتے تھے۔ آج کے مسلمان نوجوانوں کو اپنا رشتہ اس شان دار تاریخ سے جوڑنا ہوگا ورنہ مغربی اباحیت و عریانی اور مشرقی جہالت و آزادروی ہمیں ہماری اصل سے کاٹ کر تباہی کے گھاٹ اتار دے گی۔ ہمارے تمام دینی شعائر کا مزاق اڑایا جاتا ہے، ہمارے مقدس مقامات کی توہین کی جاتی ہے، ہماری پاکیزہ شخصیات اور انبیائے کرامؑ کے خلاف ہرزہ سرائی ہوتی ہے۔ یہ سارے حربے ہمارے زخموں پر نمک پاشی کے مترادف بھی ہیں اور ہمارے اعصاب آزمانے کی سازش بھی۔ ہم ان کا مقابلہ کر سکتے ہیں مگر ہماری حکومتیں نااہل ہیں۔ ہمیں اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کر کے

ہر سطح پر اس طوفان بد تمیزی کا مقابلہ کرنا ہوگا۔ ہمارا اسلحہ قرآن وسنت کی روشنی، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور صحابہ وصحابیات کے ایمان افروز واقعات ہیں۔ ہمیں اپنی اصل کی طرف رجوع کرنا ہوگا ورنہ ہماری داستان تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں۔

نہ سمجھوگے تو مٹ جاؤگے دنیا سے مسلمانوں!
تمہاری داستان تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

صحابہ کرامؓ روشنی کے مینار

انسان مختلف چیزوں سے محبت کرتا ہے۔اپنی ذات سے لے کر رشتہ داروں، دوستوں اور مرغوبات نفس، ہر چیز دل کو مائل کرتی ہے۔ خاندان، قبیلے اور ذات برادری کی عصبیت بھی انسانی خون میں رچی بسی ہے۔اسلام کا مطالبہ اپنے پیروکاروں سے یہی ہے کہ وہ ہر چیز سے زیادہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، دین اسلام اور جہاد فی سبیل اللہ سے محبت کریں۔

قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے:

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے عزیز واقارب اور تمہارا وہ مال جو تم نے کمایا ہے اور تمہارا وہ کاروبار، جن کے گھاٹے سے تمہیں خوف لاحق ہے، تمہارے وہ گھر جو تم کو پسند ہیں، تم کو اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے عزیز تر ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ تمہارے سامنے لے آئے اور اللہ فاسق لوگوں کی رہنمائی نہیں کیا کرتا۔" [سورہ التوبہ: ۲۴]

عربوں کے جس ماحول میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے، وہ عجیب و غریب قسم کا جاہلی معاشرہ تھا۔ اس کی مکمل کایا پلٹ کر رکھ دینا اسلام کا ایسا معجزہ ہے، جس کا انکار کوئی بھی سلیم الفطرت انسان نہیں کر سکتا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین مثالی مومنین تھے۔ انھوں نے ہر گام انقلاب کے سنگ میل نصب کیے۔

نوجوان صحابہؓ اور انقلاب اسلامی:

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے اعلیٰ سب سے زیادہ پاکیزہ نفوس تھے۔ تاریخ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے معاشرہ کے مثل کوئی معاشرے نہیں دیکھا، ان بزرگوں نے اپنی پوری زندگی اتباع حق، دعوت دین اور اعلائے کلمتہ اللہ میں لگا دی اور اقامت دین کے لیے ایسی بے نظیر قربانیاں دیں کہ تاریخ ان کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کے بعد ان کا اسوہ ہمارے لیے بہترین اسوہ ہے، خصوصاً اس پہلو سے کہ وہ نبی و رسول نہ تھے مگر ایمان و اطاعت خدا و

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نتیجے میں وہ اس مقام تک پہنچ گئے کہ آسمانِ ہدایت کے آفتاب و ماہتاب بن گئے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا برپا کردہ عظیم الشان انقلاب دنیا کی تاریخ کا منفرد اور بے مثال انقلاب تھا۔ اس نے حقیقی معنوں میں تاریخ کا دھارا موڑ دیا۔ حضرت عیسیٰؑ کی تمنائیں کہ اے خداوند تیری مرضی تیری زمین پر بھی اسی طرح نافذ ہو جیسے آسمانوں میں نافذ ہے، ایک نہایت پاکیزہ اور مقدس دعا تھی، ایسی دعائیں تمام انبیائے کرام نے مانگیں، ان کی قبولیت نبی آخر الزماں سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سعید میں ہوئی۔

یہ عظیم الشان انقلاب اللہ کی خاص نصرت و تائید ہی سے ممکن ہو سکا۔ اس میں صحابہ کرام کا کردار بھی کسی صورت نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، بالخصوص نوجوان و نوخیز صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین ۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی دعوت سن کر اس کی طرف لپکنے والوں میں نو عمر لوگوں ہی کی اکثریت تھی۔ انھوں نے قبول اسلام میں بھی سبقت پائی اور دفاع اسلام کا فریضہ ادا کرتے ہوئے درجہ شہادت پانے میں بھی بازی لے گئے۔ عظیم الشان تاریخ میں سے چند مثالیں پیش خدمت ہیں جو نوجوان صحابہ رضی اللہ عنہ نے لوح تاریخ پر نقش کر دیں۔

قبولِ اسلام:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ میں ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم کے مطابق بنو ہاشم کے سب لوگوں کو اپنے ہاں دعوت پر بلایا۔ اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اسلام و ایمان کی طرف بھی دعوت دی۔ جوں ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ دعوت نکلی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا ابو لہب سیخ پا ہو گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تقریر کرنے لگا۔ باقی سب مجمع خاموش تھا۔ ایسے میں ایک نحیف سی آواز ایک کونے سے اٹھی جو تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھی جائے گی۔

دس برس عمر کا ہاشمی بچہ، جسے تاریخ نے شیر خدا اور حیدر کرار، علی المرتضیٰ اور فاتح خیبر کے نام سے زندہ جاوید کر کے اپنے صفحات میں محفوظ کیا، وہ اس وقت آشوب چشم میں مبتلا

بھی تھا اور کم عمر ہونے کی وجہ سے بزرگوں کے سامنے زبان کھولتے ہوئے اس کی ٹانگیں بھی لرز رہی تھیں۔ اس نے پوری جرأت و ہمت سے کہا "اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! "میں اگرچہ کمزور سا بچہ ہوں مگر میں اعلان کرتا ہوں کہ زندگی بھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دوگا۔" آپ اپنے چچازاد بھائی کا یہ ایمان افروز اعلان سن کر بہت خوش ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل سے اس سعادت مند کے لیے کتنی دعائیں نکلی ہوں گی،، شائد ہم اس کا تصور بھی نہ کر سکیں۔ صدق و سچائی کے پیکر علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد کو خوب نبھایا۔ ہجرت کی رات شدید خطرات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر لیٹنے کا مرحلہ ہو یا بدر و اُحد میں جاں سپاری کی کٹھن منزل، خندق، خیبر کے مشکل ترین معرکے ہوں یا فتح مکہ کے بعد بت شکنی کا تاریخی لمحہ، ہر اہم اور نازک موڑ پر وہ سچا ثابت ہوا۔ تاریخ گواہ ہے کہ کوئی مشکل مرحلہ ایسا نہیں آیا جس میں وہ سینہ سپر نہ رہا ہو۔

مدینہ کے انصار کا بھی بڑا بلند مقام ہے۔ وہ اسلام کے دفاع اور دینی خدمات کے باب میں سبقت کا درجہ پا گئے۔ ان لوگوں نے مدینہ سے رخت سفر باندھا اور مکے میں آکر قبول اسلام کی عظیم الشان روایت قائم کی۔ بیعت عقبہ، ہماری تاریخ کا ایک درخشاں باب ہے۔ اس موقع پر یثرب کے ان لوگوں کے درمیان سب سے کم سن نوجوان نے ایک ایسی ایمان افروز تقریر کی، جو دانش و شعور کے ساتھ عزیمت و بسالت کی بہترین مثال ہے۔ یہ تھے سیدنا اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ، انھوں نے فرمایا:

"ٹھہرو! اے اہل یثرب! ہم لوگ جو اِن کے پاس آئے ہیں تو یہ سمجھتے ہوئے آئے ہیں کہ یہ اللہ کے رسول ہیں اور آج انھیں یہاں سے نکال کر لے جانا تمام عرب سے دشمنی مول لینا ہے۔ اس کے نتیجے میں تمہارے نونہال قتل ہوں گے اور تلواریں تم پر برسیں گی۔ لہٰذا اگر تم اس کو برداشت کرنے کی طاقت اپنے اندر پاتے ہو تو اِن کا ہاتھ پکڑو اور اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے اور اگر تمھیں اپنی جانیں عزیز ہیں تو پھر چھوڑ دو اور صاف صاف عذر کر دو کیونکہ اس وقت عذر کر دینا خدا کے نزدیک زیادہ قابل قبول ہو سکتا ہے۔"

قبول اسلام کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین و صحابیات رضی اللہ عنھن نے بے پناہ قربانیاں دیں۔ قدم قدم پر ان کا امتحان رہا اور اللہ کی تائید و نصرت سے وہ ہر امتحان میں سرخرو رہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کا سفر تاریخ انسانی کا عظیم الشان واقعہ ہے۔ اس سفر میں جہاں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا کردار بہت بلند و بالا نظر آتا ہے وہیں نوجوان صحابی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی جرأت اور تدبر بھی یادگار ہے، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر اطمینان سے سو گئے اور اگلے روز جب محاصرہ کرنے والے دشمنوں نے ان سے پوچھا کہ تمہارے صاحب کہاں ہیں تو برجستہ اور مسکت جواب دیا کہ پہرہ تم دیتے رہے ہو اور پوچھ مجھ سے رہے ہو۔ تم ہی بتاؤ کہ وہ کہاں ہیں۔ کافر اس جواب پر ندامت اور خاموشی سے واپس چلے گئے۔

اسی سفر ہجرت کے لیے زاد سفر تیار کرنے والی صحابیہ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا بن ابی بکر رضی اللہ عنہ اس وقت بمشکل پچیس چھبیس سال کی تھیں۔ انہوں نے سامان باندھتے ہوئے اپنے کمر بند کا ایک ٹکڑا کاٹ کر کچھ پوٹلیاں باندھی تھیں۔ اسی لیے انہیں ذَاتُ النِّطَاقَیْن کہا جاتا ہے۔ ان کی آزمائش عجیب تھی کہ والد سفر پر چلے گئے، دادا اور بھائی ابھی تک حالت کفر میں تھے اور دشمن ان کے درپے آزار! بدبخت ابوجہل نے اسی موقع پر سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کے منہ پر تھپڑ مارا تھا، جس سے ان کے کان کی بالی ٹوٹ کر دور جا گری تھی لیکن وہ اس کے باوجود اپنے دین وایمان پر مطمئن اور ثابت قدم رہیں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ آغاز اسلام میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت دشمن تھے اور ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے ارادے سے گھر سے نکلے تھے۔ ان کے قبول اسلام میں ان کی بہن فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا کا بنیادی کردار ہے، جو اِن سے قبل مسلمان ہو چکی تھیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو بہت مارا پیٹا لیکن وہ اپنے دین پر ڈٹی رہیں اور بڑی جرأت سے فرمایا کہ اے عمر! تم ہماری ہڈیاں توڑ سکتے ہو، ہمارا گوشت نوچ سکتے ہو مگر ہمیں اسلام سے برگشتہ نہیں کر سکتے۔ اس انقلاب آفرین، جرأت و استقامت نے سیدنا عمر

رضی اللہ عنہ کے دل کو موم کر دیا تھا۔ اب وہ مکمل طور پر بدل چکے تھے، اسلام کے لیے ان کے دل وماغ مفتوح ہو گئے۔ اس واقعہ کے وقت سیدنا فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عمر پینتیس سال تھی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی اور خاتون جنت فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت محبوب تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ فاطمہ میرے دل کا ٹکڑا ہے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اس وقت بمشکل سولہ سال کی تھی، جب ان کی والدہ سید خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا فوت ہوئیں۔ اس زمانے میں جب ظالموں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہاتھ اٹھانا شروع کیا تو کئی مرتبہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع کے لیے حرم شریف پہنچ جایا کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں داخل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سر اور کپڑوں پر دشمنوں کی پھینکی ہوئی خاک اور غلاظت کے اثرات تھے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر دھو رہی تھیں اور اشک بار بھی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

"لخت جگر گھبراؤ نہیں، خدا تمھارے باپ کو بے یار ومددگار نہیں چھوڑے گا۔"

دفاع اسلام:

غزوہ بدر میں ایک اندھی اور منہ زور قوت کے مقابلے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تین سو تیرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو اپنے ساتھ لے کر مدینہ سے نکلے۔ اس جنگ میں چودہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے شہادت پائی۔ ان میں سر فہرست نام عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا لکھا ہوا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب جنگ کے لیے مدینہ سے نکل رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر عمیر پر پڑی، جو فوج میں شریک تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں واپس گھر چلے جانے کا حکم دیا اور فرمایا، تم بہت چھوٹے ہو، جنگ میں مشکلات پیش آئیں گی مگر عمیر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن پکڑ لیا اور رونے لگے۔ وہ شہادت کی تمنا سے اس قدر سرشار تھے کہ گھر جانے کے بجائے میدان جہاد میں جانا چاہتے تھے۔ یہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے چھوٹے بھائی تھے اور ان کے

ساتھ اسلام قبول کرکے مکے سے مدینے ہجرت کرآئے تھے جبکہ والدین کفر پر قائم تھے۔

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے بھائی کی پُر زور سفارش کی کہ اسے جہاد میں شرکت کی اجازت دی جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی۔ میدان جنگ میں سیدنا عمیر رضی اللہ عنہ عرب کے سب سے بڑے جنگجو اور پہلوان عمرو بن عبدوُد کے مقابلے پر جا نکلے، یہ شخص ایک ہزار آزمودہ کار جنگ جوں کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ اس دشمن خدا سے لڑتے ہوئے نوجوان صحابی جسے مدینہ کی گلیوں میں اپنی شہادت کی اور جنت کی خوشبو آرہی تھی، مقام شہادت پر فائز ہو گئے۔ [واضح رہے کہ یہ عمرو بن عبدوُد خندق عبور کر کے مدینے پر حملہ آور ہوا تھا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں قتل ہو گیا تھا۔

☆ اوپر شہید کی مثال دی گئی ہے، اب ایک غازی کا حال بھی سنئے۔ جنگ بدر میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہیرو بن کر مدینہ پلٹے، ان کی عمر اس وقت چوبیس سال تھی۔ ان کی زندگی کا یہ پہلا معرکہ تھا، اس سے قبل جنگ لڑنے کا کوئی تجربہ نہ تھا۔ انھوں نے مبارزت میں ولید بن عتبہ کو قتل کیا اور عمومی جنگ میں بہت سے دشمنوں کی کھوپڑیاں اڑائیں۔ اُحد و خندق اور دیگر تمام معرکوں میں ان کی بہادری کے جوہر کھلتے چلے گئے۔ خیبر میں تو وہی تھے جن کے ہاتھ پر یہودیوں کا قلعہ فتح ہوا اور مَرحب ان کی ضرب حیدری کا لقمہ بن کر جہنم واصل ہوا۔

غزوہ احد میں ستر صحابہ شہید ہوئے، جن میں بیش تر نوجوان تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوہ اُحد سے واپس مدینہ کی طرف آرہے تھے تو رئیس اوس سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ تھے۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کے نوجوان بھائی عمرو بن معاذ میدان جہاد میں شہید ہوئے تھے۔ مدینہ سے صحابیات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر سن کر پریشانی کے عالم میں احد کی طرف نکل کھڑی ہوئی تھیں۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے کہا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، میری والدہ آرہی ہیں۔" سیدہ ام سعد مدینے کی معزز ترین خاتون تھیں، جب قریب پہنچیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا گھوڑا روک لیا اور ان کو سلام کہنے کے بعد فرمایا: "اے ام سعد تیرے نوخیز

بیٹے عمرو بن معاذ کی شہادت پر میں تم سے تعزیت کرتا ہوں اور تمھیں مبارکباد بھی پیش کرتا ہوں۔ ”ام سعد نے اپنے بیٹے کی شہادت کی خبر سنی تو پوچھا“ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! میرا بیٹا کہاں چلا گیا ہے؟ اسے ایک ہی چیز کی تمنا تھی اور وہ ہے جنت۔ ”آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا“ اے ام سعد رضی اللہ عنہا ! تمھیں بشارت ہو اور تمہارے اہل و عیال کو بھی بشارت ہو، شہداء جنت میں چلے گئے ہیں اور ایک جنت نہیں کئی جنتیں ان کو دی گئی ہیں اور شہداء اپنے اہل و عیال کے بارے میں اللہ سے شفاعت کریں گے اور اللہ ان کی شفاعت کو قبول کرے گا“ [دوسری روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ’ہر شہید اپنے اہل و عیال اور احباب میں سے ستر اشخاص کو بلا حساب جنت میں لے جائے گا“]۔ام سعد رضی اللہ عنہا یہ سن کر کہنے لگیں ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! ہم خوش ہیں اور ایسا بلند مقام پا لینے کے بعد آہ و بکا کی کیا ضرورت ہے“۔

سیدنا عمرو بن معاذ رضی اللہ عنہ کو ضرار بن خطاب [سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بھائی] نے شہید کیا تھا، جو اس وقت تک کافر تھے۔ سیدنا عمرو بن معاذ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ معروف تھا کہ انہیں کسی اور چیز کی اتنی تمنا نہیں، جتنی جنت کی تھی۔ اس لیے تمسخر کے انداز میں ان کے قاتل نے ضرب لگاتے ہوئے کہا“ چل جوان موٹی آنکھوں والی حور کے ساتھ تیری شادی کرادوں۔ ”اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عمرو رضی اللہ عنہ جنت کی تمام نعمتوں سے مستفید ہو رہے ہیں۔ موٹی آنکھوں والی حوریں بھی ان کا مقدر ہیں۔ شہادت کے وقت سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ کی عمر بتیس سال تھی۔

[غزوہ احد، محمد احمد باشمیل، صفحہ ۲۳۹،۲۳۸]

اے نوجوان مسلمان ! یہ ہیں ہمارے ہیرو اور مرجع عقیدت شخصیات۔ ہم جس راہ پر گامزن ہیں، بلا شبہ یہ انہی لوگوں کے نقوش پا ہیں۔ آج کا دور ہمیں ہمارے اسلاف سے کاٹ دینے کے لیے ہر فتنۂ سامری اور نارِ نمرود لے کر میدان میں نکل آیا ہے۔ اب یہ ہمارے سوچنے اور فیصلہ کرنیکی گھڑی ہے کہ ہم ان فتنہ سامانیوں کے طوفان میں بہہ کر دنیا و آخرت کے

خسران کا سودا کریں یا ان کو ٹھکرا کر اپنے اسلاف کی سنہری تاریخ کو زندہ کر دیں، جس کے نتیجے میں ہماری آخرت بھی محفوظ ہو جائے اور دنیا میں بھی ہم سرخرو و سربلند ٹھہریں۔ سوچئے اور اپنے دل و دماغ سے اس کا جواب دیجیے۔

دین پر تکالیف اور استقامت:

ایک نوجوان صحابی سیدنا خباب بن الأرت رضی اللہ عنہ سابقین اولین میں سے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ چھٹے مسلمان ہیں۔ ام انمار کے غلام تھے۔ لوہاروں والا کام کرتے تھے، لوہے کو آگ میں سرخ کر کے تلواریں وغیرہ بنایا کرتے تھے اور بوجہ غلام ہونے کے اپنی ساری کمائی اپنی آقا ام انمار کو دیتے تھے۔

جب آپ اسلام لائے تو ام انمار نے آپ کو سخت اذیتیں پہنچائیں۔ بارہا ایسا ہوا کہ آگ میں سرخ شدہ لوہا اٹھا کر اس نے آپکے سر کو داغ دیا۔ یہ ساری ایذائیں کلمہ توحید اور دین اسلام کیوجہ سے برداشت کرنا پڑتی تھیں۔

رؤساء کفار کے حکم سے مکہ کے اوباش آپ رضی اللہ عنہ کو پکڑ لیتے اور دوپہر کی شدید گرمی میں لوہے کی زرہ پہنا کر حرہ کی زمین پر ڈال دیتے اوپر سے مارتے اور پوچھتے کہ

مَا تَقُوْلُ فِیْ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم

"محمد کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے"۔

آپ رضی اللہ عنہ یہ جواب دیتے:

عَبْدُ اللّٰہِ وَرَسُوْلُہٗ جَآءَنَا بِالْحَقِّ لِیُخْرِجَنَا مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَی النُّوْرِ

"کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، ہمارے پاس دین حق لے کر آئے ہیں تاکہ ہمیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں"۔

اس جواب کو سن کر ان کا غصہ اور تیز ہو جاتا ہے اور سزا میں مزید اضافہ ہو جاتا۔ پھر سوال کیا جاتا

وَمَا تَقُوْلُ فِی اللَّاتِ وَالْعُزّٰی "لات و عزی کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے"۔

وہ جواب دیتے :

صَنَمَانِ اَصْمَانِ اَبْکَمَانِ لَایَضُرَّانِ وَلَایَنْفَعَانِ

"یہ دونوں گونگے، بہرے بت ہیں نہ نفع دیتے ہیں نہ نقصان"

یہ جواب سن کر وہ اوباش نوجوان غصے سے پاگل ہو جاتے اور انکو ہر طرح سے اذیت دیکر اپنے دل کا بھڑاس نکالتے۔

ایک دفعہ تو ایسا ہوا کہ سیدنا خباب رضی اللہ عنہ بھٹی پر کام کر رہے ہیں، انگارے دہک رہے ہیں، کفار مکہ نے آپ کو پکڑ کر انہیں انگاروں پر لٹا دیا اور سینہ پر وزنی پتھر رکھ دیا۔ سیدنا خباب رضی اللہ عنہ کی تکلیف کا اندازہ لگایئے، انکے ساتھ کیا بیتی ہو گی، انکی ساری کمر جل گئی اور وجود سے خون وغیرہ بہتا رہا اور اس خون اور پیپ سے وہ انگارے سرد ہوئے۔

سیدنا خباب رضی اللہ عنہ کے لیے یہ تکلیف واقعی نا قابل برداشت تھی، شدت تکلیف سے بے تاب تھے، خیال آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جاؤں۔ اسی جلی ہوئی کمر کو لے کر سیدھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت حطیم میں لیٹے ہوئے تھے۔ سیدنا خباب رضی اللہ عنہ نے آپکو سارا ماجرا سنایا اور بڑی لجاجت سے عرض کی۔

اَلَاتَدْعُوْا اللّٰہَ لَنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ

اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہمارے لیے دعا نہیں فرمائیں گے؟ آخر یہ مصائب کے دن کب کٹیں گے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ خباب رضی اللہ عنہ ! ابھی اتنا جلدی گھبرا گئے ہو۔

لَقَدْ کَانَ مَنْ قَبْلَکُمْ لَیُمْشَطُ اَحَدُھُمْ بِاَمْشَاطِ الْحَدِیْدِ مَا دُوْنَ عَظْمِہٖ وَلَحْمِہٖ مَا یَصْرِفُہٗ ذَالِکَ عَنْ دِیْنِہٖ۔

"آپ لوگوں سے پہلے وہ لوگ بھی گزرے ہیں جنکے جسم پر لوہے کی کنگھیاں چلائی

گئیں اور انکے وجود کا سارا گوشت اُتار دیا گیا مگر وہ پھر بھی اپنے دین پر ڈٹے رہے"۔

وَيُوْضَعُ الْمِنْشَارُ عَلٰى فَوْقِ رَأْسِ اَحَدِهِمْ فَيَشُقُّ مَا يَصْرِفُهٗ ذَالِكَ عَنْ دِيْنِهٖ۔

اور ایسے لوگ بھی گزرے ہیں جن کے سر پر آری چلائی گئی ،ان کے پورے جسم کو پھاڑ دیا گیا مگر پھر بھی انکے پائے استقامت میں جنبش پیدا نہیں ہوئی۔خباب ! صبر کرو ایک دن ایسا آنے والا ہے کہ اللہ تعالیٰ ضرور اس دین کو غالب کرے گا۔

عبد اللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ پیغمبر پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک نوجوان جلیل القدر صحابی تھے۔ یہ وہی صحابی ہیں جو کسریٰ کے ہاں نبی علیہ السلام کا نامہ مبارک لے کر گئے تھے۔۱۹ھ میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک لشکر قیصر روم کے مقابلہ کے لیے روانہ فرمایا۔ قیصر روم نے مسلمانوں کی دلیری اور جرأت ایمانی کے واقعات سن رکھے تھے۔ اپنے فوجیوں کو حکم دیا کہ کسی طرح مسلمانوں کے کچھ آدمی زندہ گرفتار کرکے میرے سامنے لائیں تاکہ میں ان سے بالمشافہ بات چیت کرسکوں۔

خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ قیصر روم کے سپاہیوں نے دھوکہ دیکر چند مسلمانوں کو قید کرلیا جن میں سیدنا عبداللہ بن حذافہ سہمی بھی تھے۔اس کے فوجیوں نے بتایا کہ یہ سب سے اہم آدمی ہے اور یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قریبی معتمد ساتھی ہے۔ قیصر روم نے ان کو اپنے دربار میں حاضر کیا۔ آپ کو بغور دیکھا اور کہا کہ میں آپ کے سامنے ایک بات پیش کرتا ہوں وہ یہ کہ آپ عیسائیت قبول کرلیں۔

فَخَلَّيْتُ سَبِيْلَكَ وَاَكْرَمْتُ مَثْوَاكَ

تو میں تجھے بصد اعزاز و کرام چھوڑ دوں گا۔

سیدنا عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا هَيْهَاتَ "یہ نہیں ہو سکتا"۔

اِنَّ الْمَوْتَ لَاَحَبُّ اِلَيَّ اَلْفَ مَرَّةٍ مِمَّا تَدْعُوْنِيْ اِلَيْهِ

"جس چیز کی طرف تو مجھے بلا رہا ہے اس کے مقابلے میں مجھے ہزار موتیں زیادہ محبوب ہیں"۔

قیصر کہنے لگا آپ ایک خوبرو جوان ہیں اور سمجھ دار آدمی ہیں ،اگر میری بات مان لیں

تو میں آپ کو بادشاہی میں بھی شریک کر لوں گا۔ بیڑیوں میں جکڑے ہوئے عبد اللہ مسکرائے اور فرمایا کہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا غلام ہوں۔

وَاللّٰہِ لَوْ اَعْطَیْتَنِیْ جَمِیْعَ مَا تَمْلِکُ وَجَمِیْعَ مَامَلَکَتْہُ الْعَرَبُ عَلٰی اَنْ اَرْجِعَ عَنْ دِیْنِ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم طَرْفَۃَ عَیْنٍ مَا فَعَلْتُ

اللہ کی قسم اگر تو اپنے سارے خزانے بلکہ عرب کے بھی سارے خزانے میرے قدموں میں لا کر ڈال دے اور مجھ سے یہ مطالبہ کرے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن ایک لمحہ کے لیے بھی چھوڑ دوں، تو مجھے ہر گز یہ سودا قبول نہیں ہے۔

قیصر نے کہا پھر میں تجھ قتل کروں گا۔ فرمایا وہ تیری مرضی ہے۔ پھر اس نے حکم دیا کہ انکو سولی پر لٹکا دیا جائے۔ اور انکے وجود پر تلواروں اور نیزوں کے کچوکے لگائے جائیں۔ سیدنا عبد اللہ بن حذافہ سولی پر لٹکے ہوئے ہیں وجود سے خوب بہہ رہا ہے اور وہ بار بار آپ کے سامنے عیسائیت پیش کر رہے ہیں اور وہ انکار کر رہے ہیں۔ پھر قیصر نے حکم دیا کہ انہیں سولی سے اتار لیا جائے اور ایک بہت بڑی کڑائی دان لائی گئی جس میں تیل ڈال کر گرم کیا گیا۔ جب تیل اُبلنے لگا تو اس کے اندر مسلمانوں کے دو قیدی ڈالے گئے۔ ایک لحظہ میں انکے وجود کا گوشت گل کر پگھل گیا اور ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا۔ یہ سارا منظر سیدنا عبد اللہ بن حذافہ کو دکھا کر پھر عیسائیت پیش کی گئی کہ تمہارا بھی یہی حشر ہو سکتا ہے، عیسائیت قبول کر لو۔

فَکَانَ اَشَدَّ اِبَاءً لَھَا

"انھوں نے پہلے سے بھی زیادہ سختی کے ساتھ انکار کر دیا"۔

جب قیصر ہر طرح سے ناامید ہو گیا تو مایوس ہو کر حکم دیا کہ اب ان کو بھی لے جا کر اس کڑاہ میں ڈال دیا جائے۔ جب ان کو کڑاہ کے قریب لے جایا گیا تو انکی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ قیصر کو فوراً مطلع کیا گیا کہ اِنَّہٗ قَدْ بَکٰی کہ اب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی رونے لگ گیا ہے۔ قیصر سمجھا کہ بات بن گئی۔ فوراً اس کے سامنے حاضر کئے گئے، اس نے پھر عیسائیت قبول کرنے کی پیش کش کی، انھوں نے پھر انکار کر دیا۔ وہ کہنے لگا وَیْحَکَ فَمَا الَّذِیْ اَبْکَاکَ اِذَنْ۔

پھر تو رویا کیوں؟

سید نا عبد اللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ رویا میں اس لیے ہوں کہ میرے دل میں یہ خیال آیا کہ "آج میرے پاس ایک ہی جان ہے جو میں اللہ کی راہ میں قربان کر رہا ہوں۔"

وَقَدْ كُنْتُ اَشْتَهِيْ اَنْ يَّكُوْنَ لِيْ بِعَدَدِ مَا فِيْ جَسَدِيْ مِنْ شَعْرٍ اَنْفُسٍ فَتُلْقٰى كُلُّهَا فِيْ هٰذَا الْقِدْرِ فِيْ سَبِيْلِ الله

"کاش کہ میرے پاس اتنی جانیں ہوتی جتنے میرے وجود پر بال ہیں تو میں ساری جانیں ایک ایک کر کے اللہ کے حضور قربان کر دیتا۔ روتا تو اپنی کم مائگی پر ہوں کہ جان صرف ایک ہی ہے"۔

قیصران کا یہ جواب سن کر بڑا متاثر ہوا اور دل میں تسلیم کر لیا کہ واقعی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والے عظیم آدمی ہیں۔

اب وہ کہنے لگا کہ میں آپ کی عظمت و جرأت کو سلام کرتا ہوں۔ آپ میرے سر کو بوسہ دیں تو میں آپکو چھوڑ دوں گا۔ سید نا عبد اللہ نے کچھ دیر سوچا اور فرمایا صرف مجھے نہیں سب قیدیوں کو چھوڑنا ہو گا۔ اس نے اقرار کر لیا۔ سید نا عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دل میں سوچا کہ ایک طرف اس کے سر کو محض بوسہ دینا ہے اور دوسری طرف سب مسلمانوں کی رہائی ہے۔

لَا ضَيْرَ فِيْ ذَالِكَ عَلَيَّ

"اس میں تو کوئی خاص نقصان نہیں ہے"۔

پھر میں نے قریب ہو کر اس کے سر کو بوسہ دیا تو اس نے حسب وعدہ تمام قیدیوں کو رہا کر دیا۔ سید نا عبد اللہ رضی اللہ عنہ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو خلیفہ دوم سید نا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ سارا واقعہ پوچھا اور سنا۔

سید نا عمر رضی اللہ عنہ بڑے خوش ہوئے۔ ان کو منبر پر بٹھایا اور فرمایا:

حَقٌّ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ اَنْ يُّقَبِّلَ رَأْسَ عَبْدَ اللهِ بْنِ حُذَافَه وَأَنَا اَبْدَأُ بِذَالِكَ ثُمَّ قَامَ وَ

قَبَّلَ رَأْسَهٗ

"ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ کھڑا ہو کر سیدنا عبد اللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کے سر مبارک کو بوسہ دے اور میں اسکی ابتدا کرتا ہوں۔ پھر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور ان کے سر کو بوسہ دیا۔

بعد ازاں تمام مسلمانوں نے انکے سر کو بوسہ دیا اور یہ منظر دیدنی تھا۔

اسلام کی ابتدائی دور میں اکثر غریب لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ زیادہ تعداد غلاموں اور لونڈیوں کی تھی۔ پھر ان غرباء پر جو ظلم کئے گئے ان کی مثال پوری تاریخ میں نہیں ملتی۔ مرد تو کیا اسلام قبول کرنے والی عورتوں پر بھی ظلم کی انتہاء کر دی گئی۔

انہی لونڈیوں میں سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی ایک لونڈی زنیرہ رضی اللہ عنہ بھی تھی جسے اللہ تعالیٰ نے ایمان کی دولت سے مالا مال کیا۔ جب کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی دولت ایمان سے محروم تھے۔ اسلام قبول کرنے کی پاداش میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر ظلم و ستم کی حد کر دی۔ اسے صبح و شام سخت اذیتیں دی جاتیں اور اسلام سے برگشتہ کرنے کے لیے ہر حربہ استعمال کیا جاتا حتی کہ اسے اتنا مارا گیا کہ اس بے چاری کی بینائی جاتی رہی اور یہ اندھی ہو گئی۔ بجائے اس کے کہ قریش اس فعل پر نادم ہوتے انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا۔

مَا أَذْهَبَ بَصَرَهَا إِلَّا اللَّاتُ وَالْعُزّٰى

کہ دیکھو لات اور عزی نے کس طرح اسے اندھا کر دیا، یہ ان کو نہیں مانتی تھی، ان کی شان میں گستاخی کرتی تھی اس لیے انہوں نے اس کو سزا دی ہے۔ سیدہ زنیرہ رضی اللہ عنہا اس کے جواب میں کہا کرتی تھیں کہ نہیں ایسا ہر گز نہیں۔

وَمَا يُدْرِي اللَّاتُ وَالْعُزّٰى مَنْ يَعْبُدُهُمَا

لات اور عزی کو کیا خبر کہ کون ان کی عبادت کرتا ہے اور کون نہیں کرتا، وہ تو نہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں، اور نہ ہی نفع و نقصان کا کچھ اختیار کر کھتے ہیں۔ کفار کہتے ہیں کہ پھر تیرا رب تیری مدد کرے نا، وہ تیری مدد کیوں نہیں کرتا۔ زنیرہ کہتی:

رَبِّیْ قَادِرٌ عَلٰی رَدِّ بَصَرِیْ

میرا رب یقینا میری نظر لوٹانے پر قادر ہے، اس میں اس کی اپنی کوئی حکمت ہو گی۔

آخر ایک دن زنیرہ نے درد مندانہ انداز میں اپنے رب سے التجا کر دی کہ: اے اللہ یہ مشرک مجھے طعنہ دیتے ہیں، میری مدد فرما۔ اللہ نے اس کی دعاء قبول فرمالی اور اس کی نظر واپس لوٹا دی۔ پھر قریش نے یہ کہنا شروع کر دیا: هٰذَا سِحْرُ مُحَمَّدٍ کہ یہ محمد کا جادو ہے۔ [نعوذ باللہ]۔ آخر ایک دن سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے زنیرہ رضی اللہ عنہا کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے خرید کر اللہ کی رضاء کے لیے آزاد کر دیا۔ پھر کفار کہا کرتے تھے کہ اگر اس دین اسلام میں کچھ بھلائی اور بہتری ہوتی تو زنیرہ رضی اللہ عنہا جیسی ایک ذلیل اور کمترین باندی ہم جیسے معززین اور شرفاء سے کیونکر سبقت لے جاتی۔ جب ہم جیسے عقلمند اور معززین نے اسلام قبول نہیں کیا تو ثابت ہوا کہ یہ دین کوئی قابل قبول اور قابل فخر شے نہیں ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کے لیے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَوْ کَانَ خَیْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَیْهِ

"کفار نے اہل ایمان کے بارے میں کہا کہ اگر اسلام میں کوئی بہتری اور بھلائی ہوتی تو یہ لوگ اس معاملہ میں ہم سے سبقت حاصل نہ کرتے"۔

ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا اصل نام ھند تھا۔ قبیلہ بنی مخزوم کے سردار کی بیٹی تھیں۔ یہ قبیلہ سخاوت اور ضیافت میں مشہور تھا۔ ان کا پہلا نکاح عبد اللہ بن عبد الاسد [ابو سلمہ] سے ہوا۔ اسلام کے بالکل ابتدائی دور میں ان دونوں میاں بیوی نے اسلام قبول کیا اور ان تمام مصائب و تکالیف کو برداشت کیا جو اہل اسلام پر ڈھائی جاتی تھیں۔ انکے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام سلمہ رکھا گیا۔ اور اسی کی وجہ سے انہوں نے کنیت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا رکھ لی۔ دونوں میاں بیوی کے درمیان بے پناہ محبت تھی، قریش کے ظلم و جور سے تنگ آکر ان دونوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔

وہاں سے واپس آئے تو دوسری ہجرت مدینہ منورہ کی طرف فرمائی۔ جس کا مفصل

بیان سیدہ سلمہ رضی اللہ عنہا خود کرتی ہیں کہ جب ابو سلمہ رضی اللہ عنہا نے ہجرت مدینہ کا ارادہ کیا تو اپنے اونٹ پر سامان لادا اور مجھے اور میرے بیٹے سلمہ کو سوار کرایا اور خود اونٹ کی نکیل پکڑ کر مدینہ کی طرف عازم سفر ہوئے۔ ابھی ہم مکہ مکرمہ کی آبادی سے باہر نہ نکلے تھے کہ میرے قبیلہ بنو مخزوم کو پتہ چل گیا۔ اور فوراً غصے میں بھرے ہوئے آگئے اور میرے خاوند کو کہا کہ تجھے اپنی ذات کا تو اختیار ہے کہ جہاں چاہے چلا جائے مگر ہم اپنی لڑکی کو کیوں تیرے ساتھ جانے دیں کہ وہ بھی دَر بدر پھرے۔

وَهِيَ بِنْتُنَا فَعَلَامَ نَتْرُكُكَ تَأْخُذُهَا مِنَّا وَتَسِيْرُبِهَا فِي الْبِلَادِ۔

یہ کہہ کر اس پر ٹوٹ پڑے اور اس کے ہاتھ سے اونٹ کی نکیل چھین لی اور مجھے زبردستی واپس لے آئے۔ میرا خاوند ابو سلمہ رضی اللہ عنہ اکیلے ہی مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر گیا۔ اگرچہ میرے لیے خاوند سے اس طرح جدا ہونا قابل برداشت نہ تھا، لیکن پھر بھی میں نے صبر وہمت سے کام لیا اور خاموش رہی۔ ابھی تھوڑا ہی وقت گزرا تھا کہ میرے سسرال بنو عبدالاسد نے میرے میکہ والوں پر ہلہ بول دیا اور جھگڑنے لگے کہ تمھیں اپنی لڑکی کا تو اختیار ہے مگر یہ لڑکا سلمہ تو ہمارا پوتا ہے یہ ہمیں دے دیں۔ اسی طرح انہوں نے مجھ سے میرا لڑکا بھی چھین لیا۔ اب میں اور میرا خاوند اور میرا بیٹا تینوں جدا جدا ہو گئے۔ میری حالت تو غیر ہو گئی نیم پاگل سی ہو گئی۔ میں روزانہ اس جگہ جاتی جہاں میرا خاوند اور بیٹا مجھ سے جدا ہوئے تھے اور وہاں بیٹھ کر گھنٹوں روتی رہتی یہاں تک کہ شام ہو جاتی۔ اس طرح روتے روتے تقریباً ایک سال گزر گیا۔ نہ تو میں خاوند کے پاس جا سکی اور نہ ہی میرا بچہ مجھے مل سکا۔ ایک دن میرے ایک چچازاد بھائی نے میرے حال پر ترس کھایا اور میرے قبیلہ کو سمجھایا۔

اَلَا تُطْلِقُوْنَ هٰذِهِ الْمِسْكِيْنَةَ فَرَّقْتُمْ بَيْنَهَا وَبَيْنَ زَوْجِهَا وَبَيْنَ وَلَدِهَا

کہ تمہیں اس مسکین عورت پر رحم نہیں آتا تم نے اس سے اس کا خاوند اور بیٹا جدا کر کے کتنا بڑا ظلم کر رکھا ہے۔ وہ انہیں سمجھاتا رہا یہاں تک کہ ان کے دل نرم ہو گئے اور انہوں نے مجھے اجازت دے دی کہ

اَلْحِقِیْ بِزَوْجِكِ اِنْ شِئْتِ

کہ اگر تو اپنے خاوند کے پاس جانا چاہتی ہے تو جا سکتی ہے۔ لیکن میں اپنے لخت جگر کو چھوڑ کر کیسے جا سکتی تھی۔ بعض لوگوں نے درمیان میں پڑ کر بنی عبدالاسد [میرے سسرال] کو سمجھایا اور انہوں نے رحم کرتے ہوئے میرا بیٹا سلمہ مجھے واپس کر دیا۔ میں نے سواری کا اونٹ تیار کیا اور بچہ گود میں لے کر اونٹ پر تنہا سوار ہو کر مدینہ کو چل دی۔ جب میں مقام تنعیم پر پہنچی تو وہاں ایک شریف آدمی عثمان بن طلحہ مجھے ملے اور مجھ سے سوال کیا:

اِلٰی اَیْنَ یَا بِنْتِ زَادِ الرَّاکِب

"اے سخی سردار کی بیٹی کہاں جا رہی ہو"؟

میں نے جواب دیا مدینہ منورہ اپنے خاوند کے پاس جانا چاہتی ہوں۔ انہوں نے سوال کیا

اَوَمَا مَعَكَ اَحَدٌ

"کیا تیرے ساتھ کوئی بھی نہیں، تو اکیلی ہی جا رہی ہے"۔

میں نے عرض کیا اللہ کی ذات کے سوا کوئی نہیں۔ انہوں نے فرمایا:

وَاللّٰہِ مَا اَتْرُکُكِ اَبَدًا ثُمَّ اَخَذَ بِخِطَامِ بَعِیْرِیْ وَانْطَلَق

"اللہ کی قسم اس طرح میں تجھے اکیلے جاتے نہیں دیکھ سکتا پھر میرے اونٹ کی نکیل پکڑ لی اور آگے آگے چل دئے"۔

خدا کی قسم میں نے عثمان سے زیادہ شریف آدمی کوئی نہیں دیکھا۔ جب اترنے کا وقت آتا تو میرے اونٹ کو بٹھا کر خود علیحدہ اڑ میں ہو جاتے۔ میں اتر جاتی اور جب سوار ہونے کا وقت آتا تو اونٹ پر سامان وغیرہ لاد کر میرے قریب بٹھا دیتے۔ اور مجھے فرماتے "اِرْکَبِی" کہ سوار ہو جاؤ۔ جب میں سوار ہو جاتی تو اونٹ کی نکیل پکڑ کر آگے چلنے لگتے، یہاں تک کہ مجھے میرے خاوند کے پاس قباء میں پہنچا دیا اور خود مکہ مکرمہ واپس چلے گئے۔

دعوت دین

سیدنا ابو ہریرہؓ کا اپنی والدہ کو دعوت دینا:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری والدہ مشرکہ تھیں۔ میں ان کو اسلام کی دعوت دیا کرتا تھا۔ ایک دن میں نے ان کو دعوت دی، انہوں نے مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بڑی ناگوار باتیں سنائیں، میں روتا ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنی والدہ کو اسلام کی دعوت دیا کرتا تھا وہ انکار کیا کرتی تھیں، آج میں نے ان کو دعوت دی تو انہوں نے مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بڑی ناگوار باتیں کہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اللہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کو ہدایت دے دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ! ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کو ہدایت دے دے۔ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا لے کر خوشی خوشی گھر کو چلا۔ وہاں پہنچ کر میں نے دروازہ کھولنا چاہا لیکن وہ بند تھا۔ میری والدہ نے میرے قدموں کی آہٹ سن کر کہا ابو ہریرہ ذرا ٹھہرو میں نے پانی کے گرنے کی آواز سنی [یعنی میری والدہ اسلام میں داخل ہونے کے لیے غسل کر رہی تھیں] میری والدہ نے کرتہ پہن لیا اور جلدی میں دوپٹہ نہ اوڑھ سکیں اور دروازہ کھول کر کہا: اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا۔ آپ نے اللہ کا شکر ادا کیا اور دعائے خیر فرمائی۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم جو بھی مسلمان مرد اور عورت میرا نام سنتا ہے وہ مجھ سے محبت کرنے لگ جاتا ہے۔ راوی کہتے ہیں میں نے عرض کیا آپ کو اس کا کیسے پتہ چلتا ہے؟ تو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب میں والدہ کے ایمان کی خوشی میں دوڑتا ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اب میں خوشی سے رو رہا تھا جیسے کہ پہلے میں غم سے رو رہا تھا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کو خوشخبری ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کو اسلام کی ہدایت دے دی۔ پھر میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ اللہ سے دعا کریں کہ اللہ میری اور میری والدہ کی محبت تمام مومن مردوں اور عورتوں کے دل میں اور ہر مومن مرد دعوت کے دل میں ڈال دے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی دعا فرمائی اے اللہ! اپنے اس چھوٹے سے بندے اور اس کی والدہ کی محبت ہر مومن مرد اور عورت کے دل میں ڈال دے چنانچہ جو بھی مسلمان مرد اور عورت میرا نام سنتا ہے وہ مجھ سے محبت کرنے لگ جاتا ہے۔

سیدنا ام سلیمؓ کا ابو طلحہ کو دعوت دینا:

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے اسلام لانے سے پہلے [میری والدہ] سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کو نکاح کا پیغام دیا۔ انہوں نے کہا اے ابو طلحہ! کیا تم نہیں جانتے ہو کہ تم جس خدا کی عبادت کرتے ہو وہ تو زمین سے اُگنے والا درخت ہے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ ام سلیم نے کہا درخت کی عبادت کرتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آتی۔ اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو میں تم سے اسلام کے علاوہ کسی قسم کے مہر کا مطالبہ نہیں کروں گی۔ انہوں نے کہا اچھا میں ذرا سوچ لوں اور چلے گئے اور تھوڑی دیر کے بعد آکر کلمہ شہادت:

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ پڑھ لیا تو سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا اے انس! میرا نکاح ابو طلحہ سے کر دو۔ چنانچہ سیدنا انس نے ان کا نکاح کروا دیا۔

سیدنا ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کا قبیلہ بنو سعد بن بکر کو دعوت دینا:

سیدنا عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قبیلہ بنو سعد بن بکر نے سیدنا ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کو اپنا نمائندہ بنا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ انہوں نے مدینہ پہنچ کر مسجد کے دروازے پر اپنا اونٹ بٹھایا اور اس کی ٹانگوں میں رسی باندھی پھر مسجد میں داخل ہوئے۔ اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ سیدنا ضمام رضی اللہ عنہ بڑے مضبوط اور زیادہ بالوں والے آدمی تھے۔ ان کے سر پر بالوں کو دو زلفیں تھیں۔ آکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے

سامنے کھڑے ہو گئے اور پوچھا آپ لوگوں میں سے ابن عبد المطلب کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ابن عبد المطلب ہوں۔ انہوں نے کہا کیا آپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جی ہاں۔ انہوں نے کہا اے ابن عبد المطلب! میں آپ سے کچھ پوچھوں گا اور اس پوچھنے میں ذرا سختی کروں گا۔ آپ ناراض نہ ہونا آپ نے فرمایا نہیں میں ناراض نہیں ہونگا تم جو چاہو پوچھو۔ انہوں نے کہا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس اللہ کا واسطہ دے کہ پوچھتا ہوں جو آپ کا بھی معبود ہے اور آپ سے پہلے والوں اور بعد والوں کا بھی معبود ہے۔ کیا اللہ نے آپ کو ہماری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے؟ آپ نے فرمایا یہی بات ہے۔ پھر انہوں نے کہا میں آپ کو اُس اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں جو آپ کا بھی معبود ہے اور آپ سے پہلے والوں اور بعد والوں کا بھی معبود ہے۔ کیا اللہ نے آپ کو اس بات کا حکم دیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اس بات کا حکم دیں کہ ہم صرف اُس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ان بتوں کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے باپ دادا عبادت کیا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بخدا یہی بات ہے۔ پھر انہوں نے کہا میں آپ کو اس اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں جو آپ کا بھی معبود ہے اور آپ سے پہلے والوں اور بعد والوں کا بھی معبود ہے۔ کیا اللہ نے آپ کو اس بات کا حکم دیا ہے کہ ہم یہ پانچ نمازیں پڑھیں؟ آپ نے فرمایا جی ہاں۔ پھر وہ زکوۃ، روزے، حج اور اسلام کے دیگر فرائض کے بارے میں پوچھتے گئے اور ہر دفعہ اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر پوچھتے۔ جب ان سوالات سے فارغ ہو گئے تو کہا: اَشْهَدُ اَنْ لاَّ اِلٰهَ اِلاَّ اللهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ اور میں ان تمام فرائض کو ادا کروں گا اور جن باتوں سے آپ نے روکا ہے ان سے بچوں گا اور میں اس میں [اپنی طرف سے] کمی یا زیادتی نہیں کروں گا۔ پھر اپنے اونٹ کی طرف واپس جانے کے لیے چل پڑے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اس دو زلفوں والے آدمی نے سچ کہا ہے تو یہ ضرور جنت میں داخل ہو گا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے اونٹ کے پاس آکر اس کی رسی کو کھولا اور واپس چل دیئے۔ جب یہ اپنی قوم میں پہنچے تو سب ان کے پاس جمع ہو گئے، تو سب سے پہلے انہوں نے یہ کہا لات اور عزیٰ کا

برا ہو۔ لوگوں نے کہا اے ضمام! خاموش رہو، ایسا نہ ہو کہ اس طرح کہنے سے تم برص کوڑھ یا پاگل پن میں مبتلا ہو جاؤ۔ انہوں نے کہا تمہارا ناس ہو یہ لات عزیٰ اللہ کی قسم! نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ نفع۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھیجا ہے اور ان پر ایک کتاب اتاری ہے اور اللہ تعالیٰ نے تم کو اس کتاب کے ذریعہ اس شرک سے نکال دیا ہے جس میں تم مبتلا تھے اور پھر کلمہ شہادت پڑھ کر سنایا: اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اور انہوں نے تمہیں جن کاموں کا حکم دیا ہے اور جن کاموں سے روکا ہے ان تمام احکام کو ان کے پاس سے لے کر میں تمہارے پاس آیا ہوں۔ راوی کہتے ہیں کہ شام ہونے سے پہلے ہی اس آبادی کا ہر مرد اور عورت مسلمان ہو چکا تھا۔ سیدنا بن عباس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ سیدنا ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ بہتر ہم نے کسی قوم کا نمائندہ نہیں سنا۔

سیدنا عروہ بن مسعودؓ کا قبیلہ ثقیف کو دعوت دینا:

سیدنا عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جب لوگوں نے ۹ھ میں حج کی تیاری شروع کی تو سیدنا عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مسلمان ہو کر حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کی اجازت چاہی کہ وہ اپنی قوم کے پاس واپس چلے جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے ڈر ہے کہ وہ تمہیں کہیں قتل نہ کر دیں۔ انہوں نے کہا وہ میرا اتنا احترام کرتے ہیں کہ اگر وہ میرے پاس آئیں اور میں سو رہا ہوں تو وہ مجھے جگاتے نہیں ہیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت دے دی۔ وہ مسلمان ہو کر اپنی قوم کے پاس واپس عشاء کے وقت پہنچے۔ سارا قبیلہ انہیں سلام کرنے آیا۔ انہوں نے ان سب کو اسلام کی دعوت دی۔ قوم نے ان پر طرح طرح کے الزام تراشے اور انہیں غصہ دلایا اور انہیں بہت سی ناگوار باتیں سنائیں۔ پھر انہیں شہید کر ڈالا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے [یہ خبر سن کر فرمایا۔ عروہ بھی ان [حبیب نجار] جیسے ہیں جن کا تذکرہ سورت یٰسین میں ہے کہ انہوں نے اپنی قوم کو اللہ کی طرف دعوت دی تو انہوں نے ان کو

شہید کر دیا۔ بہت سے اہل علم اس واقعے کو تفصیل سے ذکر کرتے ہیں اور اس میں یہ بھی مروی ہے کہ سیدنا عروہ رضی اللہ عنہ عشاء کے وقت طائف پہنچے اور اپنے گھر میں داخل ہوئے۔ قبیلہ ثقیف نے آکر ان کو جاہلیت کے طریقہ پر سلام کیا۔ انہوں نے لوگوں کو اس سلام سے روکا اور ان سے کہا تم جنت والوں کے طریقہ پر سلام کرو اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہو۔ قوم نے ان کو طرح طرح سے ستایا اور ان کو بے عزت کیا، لیکن یہ برداشت کرتے رہے۔ قوم کے لوگ ان کے پاس سے جا کر ان کے بارے میں مشورہ کرتے رہے یہاں تک کہ صبح صادق ہو گئی۔ سیدنا عروہ رضی اللہ عنہ نے بالاخانہ پر چڑھ کر فجر کی اذان دی۔ قبیلہ ثقیف کے لوگ ہر طرف سے نکل آئے۔ بنو مالک کے اوس بن عوف نامی آدمی نے ان کو ایسا تیر مارا جو ان کی شہ رگ میں لگا اور اس شہ رگ کا خون نہ رکا تو غیلان بن سلمہ اور کنانہ بن عبد یالیل اور حکم بن عمرو اور بنو احلاف کے دیگر ممتاز سرداروں نے کھڑے ہو کر ہتھیار پہن لیے اور جمع ہو گئے اور یوں کہا یا تو ہم سارے مر جائیں گے یا عروہ بن مسعود کے بدلہ میں بنو مالک کے دس سرداروں کو قتل کر دیں گے۔ سیدنا عروہ بن مسعود نے جب یہ منظر دیکھا تو کہا میری وجہ سے تم کسی کو قتل نہ کرو۔ میں نے اپنا خون اپنے قاتل کو اس لیے معاف کر دیا تاکہ اس سے تمہاری صلح باقی رہے۔ یہ میرا قتل تو اللہ تعالیٰ کا مجھ پر خاص انعام ہے اور اس نے مجھے شہادت کا مرتبہ عطا فرمایا ہے اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ انہوں نے مجھے بتایا تھا کہ تم مجھے قتل کر دوگے پھر انہوں نے اپنے خاندان والوں کو بلا کر کہا میں مر جاؤں تو مجھے ان شہیدوں کے ساتھ دفن کرنا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمہارے ہاں سے جانے سے پہلے شہید ہوئے چنانچہ اس کا انتقال ہو گیا اور ان کے خاندان والوں نے ان کو ان ہی شہید صحابہ کے ساتھ دفن کیا۔

سیدنا زیاد بن حارثؓ کا اپنی قوم کے نام خط:

سیدنا زیاد بن حارث صُدائی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسلام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت ہوا۔ مجھے پتہ چلا کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر میری قوم کی طرف بھیجا ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم لشکر واپس بلالیں میں اس بات کی ذمہ داری لیتا ہوں کہ میری قوم مسلمان بھی ہو جائے گی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطاعت بھی کرے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جاؤ اور اس لشکر کو واپس بلا لاؤ۔ میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری سواری تھکی ہوئی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو بھیج کر لشکر واپس بلوالیا۔ میں نے اپنی قوم کو خط لکھا وہ مسلمان ہو گئے اور ان کا ایک وفد یہ خبر لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خدمت میں آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا اے صدائی بھائی واقعی تمھاری قوم تمہاری بات مانتی ہے، میں نے کہا اس میں میرا کمال نہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو اسلام کی ہدایت دی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں ان کا امیر نہ بنالوں۔ میں نے کہا بنالیں یا رسول اللہ۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری امارت کے بارے ایک خط لکھ کر دیا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے صدقات میں سے میرے لیے کچھ حصہ مقرر کر دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا اور اس بارے میں مجھے ایک اور خط لکھ کر دیا۔ یہ سارا واقعہ ایک سفر میں پیش آیا تھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں ایک جگہ پڑاؤ ڈالا۔ اس جگہ والوں نے آکر اپنے عامل صدقات کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی اور کہا کہ ہمارے اور اس قوم کے درمیان زمانہ جاہلیت میں ایک جھگڑا تھا جس کی وجہ سے اس نے ہماری ساتھ سختی کی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس نے ایسا کیا ہے، انھوں نے کہا جی ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو مخاطب کرکے فرمایا اور میں بھی ان میں تھا کہ مومن آدمی کے لیے امیر بننے میں کوئی خیر نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات میرے دل میں بیٹھ گئی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک اور آدمی نے آکر کہا کہ مجھے کچھ دے دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو غنی ہو کر پھر لوگوں سے مانگتا ہے تو یہ مانگنا اس کے سر کا درد اور پیٹ کی بیماری بن کر رہے گا۔ اس آدمی نے کہا مجھے صدقات میں سے دے دیں۔ آپ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے صدقات کی تقسیم کے بارے میں نبی اور اس کے علاوہ کسی اور سے فیصلہ نہیں کروایا۔ بلکہ اس بارے میں خود فیصلہ کیا ہے اور آٹھ قسم کے انسانوں میں صدقات کا مال تقسیم کرنے کا حکم کیا ہے۔ اگر تم ان آٹھ قسم کے انسانوں میں ہو تو میں تمہیں دے دوں گا۔ تو میرے دل میں یہ بات بھی بیٹھ گئی، تو مجھے خیال آیا کہ میں تو غنی ہوں اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صدقات میں سے مانگا ہے۔ آگے لمبی حدیث ہے جس میں یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوئے تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں خط لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ان دونوں باتوں سے معافی دے دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! تمہیں کیا ہوا، میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ مومن آدمی کے لیے امیر بننے میں کوئی خیر نہیں ہے اور میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہوں۔ اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سائل سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ جو آدمی غنی ہو کر پھر بھی دوسروں سے مانگتا ہے تو یہ مانگنا اس کے سر کا درد اور پیٹ کی بیماری بن جاتی ہے۔ اور میں غنی تھا پھر بھی میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بات تو وہی ہے اگر تم چاہو تو یہ خط رکھ لو اور اگر چاہو تو واپس کر لو۔ میں نے کہا میں تو واپس کرتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا مجھے کوئی ایسا آدمی بتاؤ جسے تم سب کا امیر بنا دوں۔ آنے والے وفد میں سے میں نے ایک کا نام بتایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا امیر بنا دیا۔

سیدنا خالد بن ولیدؓ کا اہل فارس کے نام خط:

سیدنا ابو وائل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اہل فارس کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے یہ خط لکھا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خالد بن ولید کی جانب سے رستم اور مہران اور فارس کے سرداروں کے نام۔جس نے ہدایت کا اتباع کیا اس پر سلام ہو۔اما بعد ہم تمہیں اسلام کی دعوت دیتے ہیں۔اگر تم اسلام لانے سے انکار کرتے ہو تو ماتحت ہو کر رعیت بن کر جزیہ دو،اور اگر تم جزیہ دینے سے بھی انکار کرتے ہو تو میرے ساتھ ایک ایسی جماعت ہے جو اللہ کے راستے کی موت کو اتنا ہی محبوب رکھتے ہیں جتنا اہل فارس شراب کو محبوب رکھتے ہیں اور جس نے ہدایت کا اتباع کیا اس پر سلام ہو۔حضرت شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے بنو بُقیلہ نے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا وہ خط پڑھوایا جو انہوں نے اہل مدائن کے نام لکھا تھا۔اور وہ یہ ہے۔خالد بن ولید کی جانب سے اہل فارس کے صوبہ داروں کے نام۔جس نے ہدایت کا اتباع کیا اس پر سلام ہو۔اما بعد تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے تمہاری جمیعت کو بکھیر دیا اور تمہارا ملک چھین لیا اور تمہاری تدبیروں کو کمزور کر دیا،دیکھنے کی اصل بات یہ ہے کہ جو آدمی ہماری طرح نماز پڑھے گا اور ہمارے قبلے کی طرف منہ کرے گا اور ہمارے ہاتھ کا ذبح ہوا کھائے گا وہ مسلمان ہو گا۔اسے بھی وہ حقوق ملیں گے جو ہمیں حاصل ہے اور اس پر بھی وہ تمام ذمہ داریاں عائد ہو گی جو ہم پر ہے۔اما بعد جب تمہارے پاس میرا یہ خط پہنچے تو میرے پاس گروی کی چیزیں بھیج دو تاکہ بات پکی ہو اور اس بات کا یقین رکھو کہ ہم تمہاری تمام چیزوں کے ذمہ دار ہیں۔ورنہ اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں میں تمہاری طرف ایک ایسی جماعت بھیجوں گا کہ وہ موت سے اتنی ہی محبت کرتی ہے جتنا کہ تم زندگی سے کرتے ہو۔جب اہل فارس کے صوبہ داروں کو یہ خط پڑھ کر سنایا گیا تو ان کو بڑا تعجب ہوا۔یہ ۱۲ھ کا واقعہ ہے۔

حمیت اسلام:

بندہ مومن کی شان یہ ہے کہ وہ اپنی ذاتی، خاندانی، قبائلی اور قومی عصبیتوں سے بالاتر ہو جاتا ہے۔وہ اپنے آپ کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے یوں تابع کر لیتا ہے کہ صبغۃ اللہ کی تصویر اور تفسیر بن جاتا ہے۔ہر بندہ مومن کو اپنے دین کے ساتھ ایسی

وابستگی ہونی چاہیے کہ اس کے خلاف کسی سازش، حرکت اور منصوبے کو کسی صورت برداشت نہ کر سکے۔ اسلام کے مقابلے میں جو قوتیں سرگرم عمل تھیں، ان کے اندر جاہلی عصبیت تھی، جسے قرآن نے حمیت جاہلیہ قرار دیا ہے۔ اس کے مقابلے میں اہل ایمان کے دلوں میں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور شعائر اسلام کے لیے ایک حمیت تھی، جسے حمیت اسلامیہ کہا جاتا ہے۔ جب بھی اسلام کے خلاف کوئی آواز اٹھتی، پورا مسلمان معاشرہ بڑے سے لے کر چھوٹے تک اور مردوں سے لے کر عورتوں تک دفاع کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ ہر فرد ایک ایسے سانچے میں ڈھلتا چلا جا رہا تھا کہ جہاں خود بخود اس کی تربیت ہو رہی تھی۔

سیدنا زبیرؓ بن العوام:

مکہ میں ایک مرتبہ یہ افواہ پھیل گئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دیا گیا ہے۔ نوجوان صحابی سیدنا زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ جن کی عمر اس وقت بمشکل اٹھارہ انیس سال تھی، اپنی تلوار لے کر گھر سے نکلے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خیریت معلوم کرنے کے لیے پہلے اُن کے گھر حاضر ہوئے۔ جب وہاں پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بخیریت دیکھا، جان میں جان آئی لیکن چہرے پر حمیت ایمان کی سرخی دوڑ رہی تھی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: زبیر! شمشیر برہنہ کیوں اٹھائے ہوئے ہو۔ تو انھوں نے کہا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے سنا تھا کہ کافروں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دیا ہے۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر وہ مجھے شہید کر دیتے تو تم کیا کرتے۔ عرض کیا "میں ان سب کے ساتھ آخری دم تک لڑتا۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس جذبہ جاں نثاری سے بہت خوش ہوئے مگر ساتھ ہی شفقت بھرے انداز میں سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اپنی تلوار میان میں ڈال لو اور یہ جان لو کہ اللہ نے ابھی ہمیں ہتھیار اٹھانے کی اجازت نہیں دی۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار نیام میں ڈال لی اور پھر پوری مکی زندگی میں اسے نیام سے باہر نہیں نکالا۔

ننھا مجاہد، مستقبل کا سپہ سالار:

نظریات کے درمیان جنگ مختلف محاذوں پر لڑی جاتی ہے۔ سب سے نازک اور مشکل مرحلہ اعصابی محاذ پر پیش آتا ہے۔ یہاں اپنے اعصاب کو مضبوط رکھنا اور بروقت موثر ہتھیار استعمال کرنا بہت ضروری ہوتا ہے۔ غزوہ بدر میں کامیابی کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حساس دل میں فوراً مدینہ میں موجود خواتین و بچگان اور ضعفا و معذورین کا خیال آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ وہ لوگ جنگ کی وجہ سے کس قدر پریشان ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اونٹنی قصویٰ پر، جو بہت تیز رفتار تھی، زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو سوار ہونے کا حکم دیا اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو ان کی اپنی سواری پہ سوار ہونے کی ہدایت کی اور فرمایا "جس قدر جلدی ہو سکے مدینہ پہنچو۔ ایک بالائی جانب سے داخل ہو اور دوسرا زیریں جانب سے اور اہل مدینہ کو فتح کی خوش خبری سنادو۔

یہ دونوں صحابہ رضی اللہ عنہ فاتح فوج سے پہلے مدینہ میں داخل ہوئے۔ اتفاق سے اسی دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی اور سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی اہلیہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تھا۔ ان کا جنازہ پڑھا جا چکا تھا اور جنت البقیع میں تدفین ہو رہی تھی۔ سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اس خبر سے دلی صدمہ پہنچا۔ منافقین کو اپنی خباثت کا اظہار کرنے کا موقع ہاتھ آگیا۔ انہوں نے کہا "دیکھا ہم نہ کہتے تھے کہ محمد قتل ہو گیا ہے۔ زید جان بچا کر اس کی اونٹنی پر بھاگ آیا ہے۔ منافقین پہلے ہی سے مدینہ میں یہ افواہیں پھیلا رہے تھے کہ قریش نے ان طالع آزما لوگوں کو عبرتناک شکست دی ہے۔ بری طرح ان کی قوت کو کچل دیا ہے اور محمد [نعوذ باللہ] قتل کر دیئے گئے ہیں۔"

سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ بن زید رضی اللہ عنہ ان منافقین کی باتیں سن رہے تھے۔ اس وقت سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کی عمر دس سال تھی۔ انھوں نے اپنے والد کو دیکھا تو دوڑ کر ان کی طرف لپکے اور پوچھا کہ جنگ کا کیا نتیجہ رہا۔ انھوں نے کہا "بیٹے اللہ نے ہمیں فتح دی ہے"۔ یہ بات سن کر سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ ان منافقین کی طرف گئے اور بڑی جرأت سے

کہا! ” ابھی جو تم نے گفتگو کی تھی، عنقریب تمھیں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابھی فاتحانہ شان کے ساتھ مدینہ میں داخل ہوں گے۔“ منافقین ان کی بات سن کر کانپنے لگے اور معذرت و لجاجت سے کہا ”اللہ کی قسم، ہم نے ایسی بات نہیں کہی، ہم نے تو دوسرے لوگوں کا حوالہ دیا تھا۔“ پھر یہی اسامہ رضی اللہ عنہ ہیں جو اٹھارہ سال کی عمر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک لشکر کے سپہ سالار مقرر کیے گئے۔

عمیر بن سعدؓ کی عظمت:

غزوہ تبوک کے جو واقعات، تاریخ و حدیث کی کتابوں میں محفوظ ہیں، ان میں ایک بڑا دل سوز اور ایمان افروز واقعہ یہ ہے کہ واپسی پر منافقین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مشکل گھاٹی سے گزرتے ہوئے کھڈ میں گرا دینے کی سازش کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے وہاں گھات لگا کر بیٹھ گئے۔ جب منافقین یہ سازش کر رہے تھے، تو ایک ننھا انصاری مجاہد عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ ان کی باتیں سن رہا تھا۔ اُس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس سازش کا بھانڈ پھوڑ دیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے اس بات کی وضاحت طلب کی تو وہ بالکل مکر گئے۔ انھوں نے قسمیں اٹھا کر کہا کہ ایسی کوئی بات تو انھوں نے کی ہی نہیں اور نوخیز صحابی کو الٹا موردالزام ٹھہرا دیا کہ یہ بچہ بات کو سمجھا ہی نہیں۔ اپنی طرف سے اس نے خود ہی یہ قصہ گھڑ لیا ہے۔

سورۃ توبہ کی آیت نمبر ۷۴ میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

” یہ لوگ خدا کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ہم نے وہ بات نہیں کہی، حالانکہ انھوں نے ضرور وہ کافرانہ بات کہی ہے۔ وہ اسلام لانے کے بعد کفر کے مرتکب ہوئے اور انھوں نے وہ کچھ کرنے کا ارادہ کیا، جسے وہ نہ کر سکے۔ اب بھی اگر یہ اپنی روش سے باز آجائیں تو ان کے لیے بہتر ہے اور اگر یہ باز نہ آئے تو اللہ ان کو نہایت دردناک سزا دے گا۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور زمین میں کوئی نہیں، جو ان کا حمایتی اور مددگار ہو۔“

یہ سازش کرنے والے جُلاس بن سوید بن صامت اور اس کے ساتھی تھے۔ جب ان

سے باز پرس ہوئی تو واقعہ سے مکمل طور پر مکر گئے۔ ان کی گفتگو سننے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دینے والے مخلص اور صاحب حمیت صحابی عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ تھے جو یتیم ہو چکے تھے اور ان کی والدہ نے جلاس سے نکاح کر لیا تھا۔ وہ فکر مند ہوئے کیونکہ انھیں بچہ سمجھ کر عام لوگوں کی طرف سے ان کی بات تسلیم نہیں کی گئی تھی۔ اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پر اعتماد تھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مصلحتاً خاموشی اختیار کی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ کے گال محبت سے تھپتھپائے اور ان کے کانوں پر اپنے ہاتھ رکھ کر فرمایا: ''ان کانوں نے جو کچھ سنا تھا، وہ سچ تھا۔'' اس واقعہ کی تفصیلات تفسیر ابن کثیر میں آیت مذکورہ کی تشریح میں نقل کی گئی ہیں۔

ننھا انصاری، مصعبؓ:

اس واقعہ میں یہ تفصیل بھی ملتی ہے کہ ایک موقع پر جلاس مذکور نے قبا میں ہرزہ سرائی کی تھی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ کہتا ہے، اگر وہ سچ ہے تو پھر ہم تو گدھوں سے بھی بدتر ہیں۔ جلاس کے سوتیلے بیٹے مصعب رضی اللہ عنہ نے یہ خبر نبی کریم کو پہنچائی تو اس پر بھی جلاس اور اس کے ساتھیوں نے جھوٹا حلف اٹھایا۔ روایات کے مطابق آیت نازل ہونے کے بعد ننھے مصعب رضی اللہ عنہ کی عزت میں بے پناہ اضافہ ہوا اور جلاس کو بھی اللہ نے توبہ کی توفیق دی اور وہ مخلص مسلمان بن گیا۔

زید بن ارقمؓ:

ایسا ہی واقعہ ایک اور نوجوان صحابی سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی نقل کیا گیا، جس میں سیدنا زید رضی اللہ عنہ بن ارقم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقوں کی سازش سے مطلع کیا۔ انھوں نے بھی حلف اٹھا لیا۔ یہ تینوں صحابہ، جنکے نام اوپر مذکور ہوئے ہیں، نوعمر تھے۔ ان کی حمیت اسلامیہ کے حق میں اللہ نے وحی نازل کی۔

آج اسلام دشمن ہر روز اسلام اور شعائر اسلام کے خلاف دل آزار باتوں سے اپنے خبثِ

باطن کا بھرپور اور برملا اظہار کرتے ہیں جو ہر گھر میں دیکھا اور سنا جاتا ہے۔ اگر ہماری نوجوان نسل کی اٹھان اسلام اور شعائر اسلام سے گہری محبت و عقیدت کی اساس پر ہو تو ہر مسلم بیٹا اور بیٹی خود ہی اس پراپیگنڈے کو شیطانی عمل قرار دے کر مسترد کر دے۔ بد قسمتی سے بنیادی تربیت میں نقص کی بنا پر مسلمان یا تو مخمصے کا شکار ہو جاتے ہیں یا ڈی پریس ہو کر ٹھنڈی آہیں بھرنے لگتے ہیں۔ کچھ نوجوانوں کی تو اس پراپیگنڈے سے عملاً ذہن سازی ہو جاتی ہے۔ اس کا توڑ یہی ہے کہ ہم اپنی اصل کو پہچانیں، اس کی قدر و قیمت کا احساس پیدا کریں اور مرعوبیت سے نکل کر اپنے دین پر فخر کریں۔

حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عملی نمونے:

ایک بندہ مومن کی سب سے بڑی خواہش یہ ہوتی ہے کہ روز قیامت وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت اور ان کے جھنڈے تلے جگہ پا سکے۔ بلا شبہ یہ ایک اچھی، مثبت اور نیک تمنا ہے۔ اس تمنا کے حصول کے لیے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق و محبت اور اطاعت و فاداری بھی ایسی مطلوب ہے جس میں کوئی کھوٹ نہ ہو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین تو واقعی اس عظیم معیار پر پورا اُترتے تھے کہ وہ روز قیامت آقا کے دائیں اور بائیں ہوں گے۔ ہر مومن اخلاص کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے نقوش پا پر چلنے لگے تو اس کے بارے میں بھی یہ گواہی دی جا سکتی ہے۔ ہمیں سنجیدگی اور ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ یہ سوچنا ہو گا کہ ہم اس سوال کے حوالے سے کہاں کھڑے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی مثالیں مطالعہ اور غور و فکر کے لیے ذیل میں پیش خدمت ہیں۔ عمل کے لیے کمرِ ہمت باندھنا ہم میں سے ہر ایک کا اپنا انتخاب ہے۔

خاندان، والدین اور حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

اپنے خاندان بالخصوص والدین کے خلاف کوئی اقدام بڑا ہی مشکل مرحلہ ہوتا ہے۔ نوجوان صحابہ کا یہ کمال ہے کہ انھوں نے اپنے خاندان سے محبت، والدین کے ساتھ بے پناہ ادب و احترام کے مظاہر اور ان کی مکمل توقیر کے باجود اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے

مقابلے پر مشرک، منافق اور کافر والدین تک کو ٹھکرا دیا تھا۔ قرآن مجید میں اہل ایمان کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق کو سورۃ الاحزاب نمبر: ٦ میں اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا:

اَلنَّبِیُّ اَوۡلٰی بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ مِنۡ اَنۡفُسِہِمۡ

"بلا شبہ نبی ﷺ تو اہل ایمان کے لیے ان کی اپنی ذات سے بھی مقدم ہیں"

خود نبی رحمت کا اپنا ارشاد مبارک ہے "تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کو اس کے ماں باپ، اولاد اور تمام انسانوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں جاؤں۔ [متفق علیہ، باب الایمان]

آزر کے گھر ابراہیم علیہ السلام:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ وہ زندہ میں سے مردہ نکالتا ہے او مردہ میں سے زندہ! کبھی بڑے کٹر کفار اور بدترین منافقین کے گھروں میں اللہ کے نبی اور جنتی بندے جنم لیتے ہیں اور بعض اوقات نبیوں اور صلحاء کے گھروں میں بھی اشرار پیدا ہو جاتے ہیں۔ عبد اللہ بن اُبی ابن سلول کے نفاق میں کسی کو شک نہیں تھا۔ یہی شخص ہے جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارے میں یہ کہا تھا "ان لوگوں کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کئی شخص کتے کو پالے اور وہ اپنے مالک کو ہی چیر پھاڑنے کے لیے دوڑے۔" اس نے یہ الفاظ بھی کہے تھے "ہم میں سے جو عزت والا ہے وہ ذلیل کو مدینے سے نکال باہر کرے گا۔ روایات کے مطابق غزوہ بنی المصطلق کے موقع پر یہ واقعہ پیش آیا تھا۔ سورۃ المنافقون میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ عبد اللہ بن ابی کا جواب بیٹا عبد اللہ بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ مخلص صحابی اور جاں نثار رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھا۔ اس نے بھی اپنے والد کی یہ بات سنی اور جب لشکر واپس مدینہ پہنچا تو وہ سب سے پہلے مدینہ کی گلی کی نکڑ پر آکر کھڑا ہو گیا اور اپنے باپ کا راستہ روک کر کہا کہ آپ نے اعلان کیا تھا کہ مدینہ واپس پہنچ کر عزت والا ذلیل کو نکلا دے گا۔ اب آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ عزت آپ کی ہے یا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی، خدا کی قسم آپ مدینہ میں داخل نہیں ہو سکتے، جب تک اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو

اجازت نہ دیں۔

اندازہ کیجیے کہ یہ حمیت اسلامی اور غیرت ایمانی بمقابلہ عصبیت جاہلیہ۔ بوڑھا باپ نفاق کے مرض میں مبتلا ہے او جوان بیٹا حلاوت ایمان سے سرشار اور حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مالا مال ہے۔ عبد اللہ بن ابی اس موقع پر بہت تلملایا، اس نے خاصا شور ہنگامہ بھی کیا مگر اسے مدینہ میں داخل ہونے کی اجازت اس وقت تک نہ ملی جب تک رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جاں نثار کو حکم نہ دیا کہ وہ اپنے باپ کا راستہ چھوڑ دے اور اسے مدینہ میں داخلے کی اجازت دے دے۔ یوں ثابت ہو گیا کہ عزت اللہ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان ہی کے لیے ہے۔

رئیس قریش کی عظیم بیٹی:

ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا، ابو سفیان کی بیٹی تھیں۔ ابو سفیان بلند مرتبہ رئیس مکہ تھا۔ عرب اور عرب سے باہر ہر جگہ اس کے بے پناہ عزت تھی۔ ایک مرتبہ ابو سفیان مدینہ منورہ آئے، ابھی وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرنا چاہتے تھے۔ اپنی بیٹی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے گھر گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر زمین پر بچھا ہوا تھا۔ سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے بستر الٹا دیا۔ ابو سفیان کو یہ بات بڑی ناگوار گزری۔ انھوں نے کہا "بیٹی! تمہیں اس بستر پر اپنے باپ کا بیٹھنا پسند نہیں۔ کیا یہ بستر اس لائق نہیں کہ میں اس پر بیٹھوں یا میں اس قابل نہیں ہوں؟" انھوں نے برملا کر کہا "بلا شبہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس بستر پر کسی مشرک کا بیٹھنا ہر گز پسند نہیں۔" سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی عمر اس وقت اڑتیس سال تھی۔ ان کا اس سے قبل یہ بھی اعزاز ہے کہ انہوں نے بیس اکیس سال کی عمر میں حفاظت ایمان کی خاطر حبشہ کی جانب ہجرت کی تھی۔

[انسائیکلو پیڈیا ازواج مطہرات و صحابیات، صفحہ ۱۹۹، ۱۹۸]

غسیل الملائکہ :

غزوۂ احد میں ایک نوجوان صحابی شہید ہوئے، جن کا نام سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ تھا۔ ان کا تعلق قبیلہ خزرج سے تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے فداکار اور مخلص مومن تھے۔ عجیب بات یہ ہے کہ ان کا والد بھی عبد اللہ بن ابی کی طرح قبیلے اور بستی کا ایک معروف آدمی تھا۔ وہ عیسائی راہب بن گیا تھا اور اس کی علمی وجاہت اور زہد و تقوی کا بڑا چرچا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے اپنی چالاکی سے خود کو بڑا درویش ثابت کرکے جہلاء پر اپنا مذہبی تقدس اور رعب قائم کر رکھا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ آمد پر جس طرح عبد اللہ بن ابی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن بن گیا، اسی طرح ابو عامر راہب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن بن گیا۔ یہی شخص ہے، جس کی سازش سے مدینہ میں مسجد ضرار تعمیر کی گئی تھی۔ اسی نے غزوہ احد میں وہ گڑھے کھدائے تھے جن کو گھاس پھوس سے ڈھانپ دیا گیا تھا، انھی میں سے ایک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم گر کر زخمی ہو گئے تھے۔

جنگ حنین تک جتنی لڑائیاں ہوئیں، سب میں ابو عامر نے کفار ومشرکین کو اشتعال دلانے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ فتح مکہ کے بعد ہی سرزمین عرب سے مایوس ہو کر شام کی طرف بھاگ گیا اور وہاں سے روم پہنچا۔ قیصر روم کے غزوہ تبوک کے موقع پر عرب پر حملہ کرنے کے لیے بھی اسی نے تیار کیا تھا۔ اس بدبخت انسان کے گھر میں سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ جیسا سپوت اسلام پیدا ہوا۔ غزوہ احد میں سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ کو بھی قتل کرنے کی کوشش کی تھی مگر وہ بھاگ کر صف کے پیچھے چھپ گیا تھا۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے ابو سفیان پر حملہ کیا اور قریب تھا کہ اسے قتل کر دیتے۔ آپ نے اس کے گھوڑے کی ٹانگ کاٹ دی، گھوڑا اور سوار دونوں گر گئے۔ آپ سردار قریش کو قتل کرنے کے قریب ہی تھے کہ ابو سفیان کے محافظین آگے بڑھے اور شداد بن اسود نے سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔

جنگ کے بعد جب سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ کا جسد اطہر اٹھایا جا رہا تھا تو صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے تازہ پانی کے قطرے ان کے بالوں سے گرتے دیکھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کو یہ منظر بتایا گیا تو آپ نے فرمایا "اس کے گھر والوں سے معلوم کرو۔ معلوم ہوا کہ جنگ سے پہلی رات سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ کی شب عروسی تھی۔ اعلان جہاد سنتے ہی میدان جنگ کی طرف لپکے کہ مبادا پیچھے رہ جائیں۔ غسل جنابت فرض تھا، لیکن اس خیال سے کہ سبقت الی الجنتہ سے محروم نہ رہ جائیں، تیزی سے شریک جہاد ہو گئے۔ ان کی اہلیہ جمیلہ بنت ابی [رئیس المنافقین کی ہمشیرہ] مخلص صحابیہ تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ فرشتوں نے حنظلہ رضی اللہ عنہ کو جنت کے پانی سے غسل دیا ہے۔ اسی لیے سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ غسیل الملائکہ کہلائے۔ یہ واقعہ ابن اسحاق نے تفصیلاً لکھا ہے۔ علامہ ابن کثیر نے بھی البدایہ والنھایہ میں اسے نقل کیا ہے۔

امین الامت:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں سیدنا ابو عبیدہ بن عبداللہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کا بڑا بلند مقام ہے۔ آپ عشرہ مبشرہ میں سے بھی ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو امت مسلمہ کا امین بھی قرار دیا تھا۔ تاریخ کی کتابوں میں غزوہ بدر کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے کہ سیدنا ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ عبداللہ بن الجراح کو تہہ تیغ کر دیا تھا۔ اس کی وجہ محض یہ تھی کہ والد کفر کا جھنڈا اٹھا کر آیا تھا اور ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنی باگ دوڑ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دے دی تھی۔

سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ:

سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے سوانح میں تقریباً تمام سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ بدر کے دن انھوں نے اپنے بھائی عبید بن عمیر کو قتل کر دیا تھا۔ ان کا ایک دوسرا بھائی زرارہ بن عمیر المعروف ابو عزیز مکی بھی کافروں کی طرف سے شریک معرکہ تھا۔ اسے جب ایک انصاری، جنگ کے بعد، گرفتار کر کے باندھ رہا تھا، تو سیدنا مصعب رضی اللہ عنہ کی نظر بھی اس پر پڑی۔ انھوں نے اپنے انصاری بھائی سے کہا "یا اخی! اس جنگی قیدی کو مضبوطی سے باندھنا، اس کے ماں باپ بڑے مال دار ہیں۔ یہ سن کر زرارہ نے تعجب اور غصے سے کہا "تمہارا

خون کس قدر سفید ہو گیا ہے کہ تم ایک غیر کو اپنے بھائی کے خلاف اکسا رہے ہو۔" سیدنا مصعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا "نہیں تم غلط کہہ رہے ہو، تم میرے بھائی نہیں ہو۔ یہ میرا بھائی ہے۔"

ظاہر ہے اسلام اور ایمان نے ان کو آپس میں بھائی بنایا تھا اور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی مشترکہ عقیدت و محبت نے ان کے دلوں کو آپس میں جوڑ رکھا تھا۔ یہ اسلامی اُخوت بھی ایک بہت بڑی قوت تھی اور اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفاداری بھی فتح و کامرانی کی ضمانت تھی۔ آج امت اس جوہر سے تہی دامن ہے۔ اسی لیے بے وزن ہو کر رہ گئی ہے۔

دور جدید کے فتنے:

آپ اس بات سے یقیناً اتفاق کریں گے کہ آج امت مسلمہ ہر لحاظ سے مالا مال ہے، لیکن نہ دین کے ساتھ وہ وابستگی ہے نہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر آپس میں محبت ہے۔ ہر جگہ مسلمان کا خون بہہ رہا ہے تو دوسری جگہ کے اہل ایمان سمجھتے ہیں کہ ہمیں اس سے کیا سروکار۔ یوں ہر ایک دشمن کے سامنے باری باری نرم چارہ بنتا چلا جا رہا ہے۔ اس ذلت و ادبار سے نکلنے کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے نقوش پا کو حرز جان بنایا جائے۔ اے کاش! یہ جذبہ کسی طرح زندہ ہو جائے۔ قرآن و سنت نے ملت ابراہیم کا تصور دیا، کلمے کی بنیاد پر ایک نئی برادری اور اخوت قائم کی مگر شیطان نے پھر سے وہ جاہلی عصبیتوں کے فتنے زندہ کر دئے جنہیں رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں قدموں کے نیچے کچل دینے کا اعلان کیا تھا۔ ہم عرب و عجم میں بٹ کر رہ گئے، افغانی و تورانی بتوں کو دلوں میں سجالیا اور حد یہ ہے کہ اسلام کے نام پر وجود میں آنے والی دنیا کی واحد نظریاتی ریاست پاکستان میں بھی عاقبت نااندیش حکمرانوں نے نعرہ لگا دیا "سب سے پہلے پاکستان"

اس موقع پر حکیم الامت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ یاد آرہے ہیں۔ وہ درد دل کے ساتھ ملت کے ہر فرد سے یوں خطاب فرماتے ہیں:

غبار آلودۂ رنگ و نسب ہیں بالوں و پر تیرے
تو اے مرغ حرم اڑنے سے پہلے پر فشاں ہو جا
بتان رنگ و بو کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی ، نہ ایرانی ، نہ افغانی

آپ نے فارسی کلام میں اور بھی زیادہ پر اثر انداز میں اپنی ملت کا تعارف یوں پیش فرماتے ہیں:

نہ افغانیم و نے ترک و تتاریم
چمن زادیم و از یک شاخساریم
تمیز رنگ و بو بر ما حرام است
کہ ما پرورد ۂ یک نو بہاریم

انفاق فی سبیل اللہ اور صحابہ کرامؓ:

انسان جن چیزوں سے محبت کرتا ہے، ان میں مال و دولت بھی بہت نمایاں ہے۔ انسان کی فطرت میں ہے کہ وہ اپنے مال کو بڑھانے کی فکر میں لگا رہتا ہے۔ کہیں سے ذرا خسارہ ہو جائے تو پریشان ہو جاتا ہے۔ مال بذات خود کوئی بری چیز نہیں بلکہ قرآن مجید میں اور حدیث میں اسے فضل اور خیر کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مال کی محبت اگر حد سے بڑھ جائے تو یہ تباہ کن ہوتی ہے۔ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ انسان کو اس صدقے کا زیادہ اجر ملتا ہے، جو وہ صحیح اور تندرست حالت میں کرے۔ انفاق کے ذریعے زیادہ سے زیادہ اجر پانے کا یہی موقع ہوتا ہے۔ فرمایا: "اس وقت کا انتظار نہ کر جب جاں حلق میں آپہنچے، پھر تو کہے یہ فلاں کو دیا جائے اور یہ فلاں کو، اسوقت تو یہ خود ہی فلاں اور فلاں کا ہو جاتا ہے۔" [بحوالہ صحیحین]

پورا باغ اللہ کو دے دو:

مدینہ کے نوجوان صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین میں ایک نام سیدنا ابو دحداح رضی اللہ عنہ کا ہے۔ یہ مدینہ کے انصاری صحابی تھے، نوجوان تھے اور کاشتکاری و باغ بانی ان کا ذریعہ معاش تھا۔ جب سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۲۴۵ میں اللہ رب العالمین نے اہل ایمان سے قرض حسن

مانگا تو نبی رحمت نے یہ حکم صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین تک پہنچایا۔ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے وہ آیت سنی تو کسی قدر تعجب ہوا اور نوجوان صحابی نے عرض کیا، اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ! کیا اللہ ہم سے قرض مانگتا ہے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہاں اے ابو دحداح، اللہ یہ جاننا چاہتا ہے کہ تم اس کے مطالبے پر کیا جواب دیتے ہو۔ یہ سننا تھا کہ نوجوان صحابی کی عجیب کیفیت ہو گئی۔ عرض کیا" یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! آپ اپنا ہاتھ آگے بڑھائے۔ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ آگے بڑھایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑ کر کہا" میں آپ کو گواہ بنا رہا ہوں کہ میں نے اپنا باغ جس کے گرد فصیل بنی ہوئی ہے اور جس میں میرا گھر ہے، اپنے مالک کو قرض دے دیا ہے۔"

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے سورۃ البقرہ کی آیت مذکورہ کی تشریح کرتے ہوئے یہ پورا ایمان افروز واقعہ لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اس باغ میں کھجور کے پھل دینے والے سات سو درخت تھے۔ کتب تاریخ واحادیث کے مطابق اس باغ میں ٹھنڈے میٹھے پانی کا ایک کنواں بھی تھا۔ انگور کی بیلیں بھی تھیں۔ اعلان کے بعد ابو دحداح رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے اُٹھ کر اس باغ کی طرف گئے اور اپنی بیوی کو دروازے پر سے ہی آواز دی۔ اے ام دحداح ! اس نیک بخت خاتون نے جواب دیا" لبیک میرے سرتاج" فرمایا اپنے بچوں کو ساتھ لے اور اس باغ سے نکل آؤ، میں نے یہ باغ اللہ کو قرض دے دیا ہے۔ اس عظیم خاتون نے کہا "ابو دحداح تمہیں مبارک ہو، تم نے جو سودا کیا ہے، اس میں کوئی گھاٹا نہیں۔"

مٹھی بھر کھجوروں کا مقام:

انفاق فی سبیل اللہ کا معاملہ بڑا عجیب ہے۔ بعض اوقات خطیر اشیاء اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے بڑے درجات ملتے ہیں، لیکن کبھی کبھار معمولی حصہ ڈالنے والوں کو بھی سب پر فوقیت حاصل ہو جاتی ہے۔ غزوہ تبوک کے موقع پر عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، جو مال دار صحابہ تھے، تھیلیاں لے کر آئے جن میں سونا چاندی اور درہم و دینار تھے۔ جب پوچھا گیا کہ کتنی تعداد اور مقدار ہے تو انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا" اے اللہ کے

رسول صلی اللہ علیہ وسلم بخدا میں نے گنا اور تولا نہیں۔ اللہ مجھے بے حساب دیتا ہے تو اس کے راستے میں گن گن کر اور تول تول کر پیش کرنے سے مجھے شرم آتی ہے۔" اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" بَارَكَ اللهُ فِيْ مَا اَعْطَيْتَ وَبَارَكَ اللهُ فِيْ مَا اَمْسَكْتَ" [جو تو نے اللہ کے راستے میں دے دیا، اللہ اس میں بھی برکت دے،اور جو تو نے گھر میں چھوڑا، اللہ اس میں بھی برکت دے۔"

یہی موقع تھا جب یارِ غار سید نا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپناسارا اثاثہ اور جمع پونجی لا کر ڈھیر کر دی تھی اور گویا عرض کیا تھا:

پروانے کو چراغ ہے، بلبل کو پھول بس
صدیق کے لیے ہے خدا کا رسول بس

سید نا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام اثاثہ جات کا نصف پیش کر دیا تھا، جبکہ سید نا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیکڑوں اونٹ اور سازوسامان پیش کئے تھے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کی گردنوں پر ہاتھ پھیرتے رہے اور فرمارہے تھے کہ" جبرائیل مسلسل کہے جارہا ہے، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم عثمان رضی اللہ عنہ کچھ بھی کرے وہ جنتی ہے۔" اور پھر سب سے بازی لے جانے والا فقیر صحابی ابو عقیل رضی اللہ عنہ آیا تو اس نے چند سیر کھجوریں پیش کیں۔ پوچھا گیا کھجوریں کہاں سے حاصل کیں تو عرض کیا" ایک یہودی کے ہاں رات بھر محنت مزدوری کی اور صبح اجرت میں جو کھجوریں ملیں، ان میں آدھی اپنے بال بچوں کے دے دی اور آدھی آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ آپ قبول فرمالیجیے۔" اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا" اُس ذات کی قسم، جس کے قبضے میں میری جان ہے، یہ کھجوریں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں سونے چاندی اور درہم ودینار کے ڈھیرے سے زیادہ قیمتی ہیں۔" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کھجوریں سونے چاندی کے ڈھیر پر بکھیر دیں۔

اس ایمان پرور منظر سے اہل ایمان کا ایمان مزید بڑھ گیا مگر منافقین آگ میں جلنے لگے۔ انھوں نے تبصرے کئے کہ یہ مٹھی بھر کھجوروں سے قیصر روم کو شکست دینا چاہتے ہیں

اور یہ بھی کہا کہ مال دار لوگ ریاکاری اور نمائش کر رہے ہیں۔ اللہ رب العزت نے مخلص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی طرف سے ان بد بختوں کو جواب دیا۔ ارشاد ربانی ہے

اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقَاتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ۙ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ [سورہ التوبہ، آیت نمبر ۷۹]

"اللہ [ان کنجوس دولت مندوں] کو خوب جانتا ہے، جو برضاو رغبت اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے اہل ایمان کی قربانیوں پر ناروا تبصرے کرتے ہیں اور پھر ان لوگوں کی غربت کا [بھی] مذاق اڑاتے ہیں، جن کے پاس [راہ خدا میں دینے کے لیے] اس کے سوا کچھ نہیں ہے، جو وہ خون پسینے سے کما کر لاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان مذاق اڑانے والوں کا مذاق اڑاتا ہے اور ان کے لیے دردناک سزا ہے۔"

معیار زندگی کا بت پاش پاش ہو گیا

دو کمبلوں والا مردِ درویش:

سیدنا عبد اللہ المزنی رضی اللہ عنہ ، ایک اور نوجوان صحابی تھے، جن کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات تک نہیں ہوئی تھی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال سن کر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرویدہ ہو گئے تھے۔ بچپن میں یتیم ہو گئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ان کے چچا نے ان کی پرورش کی اور کچھ بکریاں دے دیں۔ وہ اپنے چچا کے ریوڑ کے ساتھ اپنی یہ بکریاں بھی چراتے رہے۔ بکریوں کی تعداد میں بہت اضافہ ہوا۔ آخر فتح مکہ کے بعد اپنے چچا سے مدینہ جانے کو کہا تو اس پر چچا ناراض ہو گیا۔ اب عشق کی آگ بجھائے کیسے بجھ سکتی تھی۔ انھوں نے فرمایا "میں تو اب مدینہ جائے بغیر نہیں رہ سکتا۔" چچا نے کہا کہ ساری بھیڑ بکریاں اور ریوڑ میرے ہیں۔ فرمایا "تمہیں اس مال کا لالچ ہے تو لے لو، میں تو اب مدینہ جاؤں گا۔" اُس نے کہا "تمہاری یہ پوشاک اور جوتے بھی میرے مال سے بنائے گئے ہیں، یہ بھی اتار دو۔"

نوجوان نے اپنی ماں سے یہ صورت حال بیان کی اور درخواست کی کہ اسے کوئی کپڑا دے دے۔ اس نے کہا "میرے پاس ایک پرانا کمبل ہے اور کچھ نہیں۔" اس عاشق صادق نے اس کمبل کے دو ٹکڑے کئے، ایک کمر کے گرد باندھ لیا، دوسرا کندھے پر ڈال لیا۔ چچا کو اس کے مال سے بنے ہوئے کپڑے اوجوتے بھی اتار کر دے دیے۔ ننگے پاؤں مدینہ کی طرف آبلہ پائی کرتے ہوئے چل پڑے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کا شوق انھیں کشاں کشاں لیے چلا جا رہا تھا۔ رات کا وقت تھا کہ مدینہ آپہنچے۔ مسجد نبوی کا دروازہ کھلا دیکھ کر اندر داخل ہوئے اور فرش پر لیٹ گئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کے پچھلے پہر مسجد میں تشریف لائے اور اجنبی کو سوتے دیکھ کر پوچھا: مَنْ اَنْتَ یَا ذَالْبَجَادَیْن۔ "یعنی اے دو کمبلوں میں لپٹے ہوئے تم کون ہو"، انھوں نے کہا: "میں عبد العزیٰ ہوں"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم عبد

العزی نہیں ہو۔ آج کے بعد تمہارا نام عبد اللہ ہے"۔

اس صحابی رضی اللہ عنہ نے اپنا سب کچھ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے لیے تج دیا تھا۔ اپنا واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے حد متاثر ہوئے۔ اگلی صبح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا کہ اپنے بھائیوں کو بھی اپنی آپ بیتی سناؤ۔ صحابہ بھی ان کی روداد سن کر جھوم اٹھے۔ اللہ نے اس مسافر کو بڑا اجر عطا فرمایا۔ غزوہ تبوک کے سفر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ راستے میں ان کی وفات ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور ابو بکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اپنے بھائی کو قبر میں اتارو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل فرما رہے تھے: "اپنے بھائی کو عزت واحترام سے قبر میں اتارو۔"

جب قبر تیار ہو گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کے لیے ہاتھ اُٹھا دیے اور فرمایا:
"اے اللہ میں تیرے اس بندے سے راضی اور خوش ہوں، تو بھی اس سے راضی ہو جا۔"

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ، جن کا اپنا بڑا بلند مقام ہے فرمایا کرتے تھے "وہ قبر مجھے کبھی نہیں بھولی، جس میں عبد اللہ ذو البجادین کو دفن کیا گیا تھا۔ میں ہمیشہ اپنے دل میں حسرت پاتا ہوں کہ کاش مجھے اس قبر میں دفن کیا گیا ہوتا۔"

شان سکندری سے شان قلندری تک:

سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے بھی ناز و نعمت کے ماحول کو چھوڑ کر عشق کی وادی پر خار میں قدم رکھا تھا۔ پھر زندگی بھر پیچھے مڑ کر نہ دیکھا۔ وہ مکے کے سب سے زیادہ ناز پروردہ نوجوان تھے۔ شہزادوں کی سی زندگی گزارتے۔ قبول اسلام کی پاداش میں گھر سے نکال دیے گئے۔ ناز و نعمت میں پلا ہوا نوجوان بھی دنیا کی عیش و عشرت کو ٹھکرا کر، معیار زندگی کے بت کو پاش پاش کر کے دو کمبلوں میں لپٹا ہوا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دار ارقم میں حاضر ہوا تھا۔ یہ منظر دیکھا تو خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں بھی بھیگ گئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مصعب نے دنیا اور اس کی رعنائیوں کو اللہ اور اس کے

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پر قربان کر دیا ہے"۔ ناز و نعمت کو قربان کرنا بڑا مشکل ہوتا ہے، لیکن جن کو لذت آشنائی حاصل ہو جائے وہ دو عالم سے بیگانہ ہو جاتے ہیں۔ بقول اقبال

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ مکے کے گلی کوچوں سے شان سکندری کے ساتھ گزرا کرتا تھا تو اہل مکہ اس کی حالت پر رشک کرتے تھے۔ دنیادار صرف شان سکندری ہی کو سلام کرتے ہیں۔ جب قبول حق کی پاداش میں ان نوجوان کی محرومیوں کا سامنا ہوا تو ننگے پاؤں اور کھر درے کمبل میں لپٹا ہوا اسی مکے کے گلی بازاروں میں سے شان قلندری کے ساتھ گزرا۔ دنیا والوں نے کہا کہ یہ پاگل ہو گیا ہے۔ دنیا والوں کا کیا ہے، یہ تو اللہ کے رسولوں کو بھی مجنون قرار دینے سے نہیں چوکتے۔ اس کی اس شان قلندری پر اب آسمان والے رشک کر رہے تھے۔ جتنا مشکل کام ہوتا ہے، اتنا ہی بڑا اجر ملتا ہے، مگر ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں؟ یہ انھی کا مقدر ہے جو بڑے نصیب والے ہیں۔ یہ شخص اتنا عظیم تھا کہ احد میں اس کی شہادت پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"اس کی چھوٹی چادریں اس کو کفایت نہیں کر رہیں، اس کے ننگے پاؤں پر گھاس ڈال دو اور جان لو کہ اللہ کی رحمت نے اسے ڈھانپ لیا ہے۔" کواکب نبوت اس منظر کو دیکھ کر ننگے پاؤں والے کی رفعت شان پر رشک کر رہے تھے اور سال ہا سال بعد تک بلکہ آج تک اس پر رشک کیا جا رہا ہے۔

آج کا چیلنج:

اللہ کا دین آج غریب الدیار ہے۔ اس کے اپنے اس سے لاتعلق اور بیگانے ہو گئے ہیں، بلکہ ایک حصہ تو دشمن کے ساتھ مل کر اس پر حملہ آور ہے۔ غیروں نے اسے اپنے لیے سب سے بڑا خطرہ قرار دے کر اعلان جنگ کر دیا ہے۔ آج دین کی حفاظت کے لیے جان و مال کی قربانی کی ضرورت ہے۔ اللہ والے ہر دور میں موجود رہے ہیں، آج بھی اللہ کی زمین ان سے خالی نہیں۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے مقدار سے زیادہ اخلاص کی قیمت ہے۔ ہر شخص

اپنی حیثیت کے مطابق اپنا حصہ ڈال کر سرخرو ہو سکتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ۚ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ۗ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ۔ [حج:۳۷]

"نہ ان [جانوروں] کے گوشت اللہ کو پہنچتے ہیں نہ خون، مگر اسے تمہارا تقویٰ اور اخلاص پہنچتا ہے۔ اس نے ان کو تمہارے لیے اس طرح مسخر کیا ہے تاکہ اس کی بخشی ہوئی ہدایت پر تم اس کی تکبیر کرو اور اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، بشارت دے دو نیکوکار لوگوں کو"۔

اے نوجوانو!

کیا آپ حضرات کو معلوم ہے کہ آپ کو کیوں پیدا کیا گیا ہے اور آپ کی کیا ذمہ داری ہے؟ آپ حضرات کو اس لیے پیدا کیا گیا ہے کہ آپ اللہ جل شانہ کی خوب عبادت کریں اسی کے مطیع وفرمانبردر ہوں اور ہر معاملہ و موقعہ پر اسی کے سامنے سر جھکائیں۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ [الذاریات۔۵۶]

" اور میں نے جنات اور انسان کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے"۔

آپ حضرات کو اس لیے پیدا کیا گیا ہے کہ آپ اس خدائی نظام کی پیروی کریں جس کے قریب باطل نہ سامنے سے پھٹک سکتا ہے نہ پیچھے سے۔ یہ تو حکیم و حمید ذات کا نازل کردہ نظام ہے:

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔

[العمران۔۸۵]

"اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کو تلاش کرے گا سو وہ اس سے ہر گز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ شخص آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہوگا"۔

آپ حضرات کو اس لیے پیدا کیا گیا ہے کہ آپ فرمانبرداری واطاعت اور دوستی صرف اللہ جل شانہ اور اس کے رسول اور مومنوں سے کریں:

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُوْنَ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ۔ [المائدہ ۵۵،۵۶]

"تمہارے دوست تو بس اللہ اور اس کا رسول اور ایمان والے ہیں جو نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے رہتے ہیں اس حال میں کہ وہ خشوع بھی رکھتے ہیں اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول اور ایمان والوں سے دوستی رکھے گا سو بیشک اللہ ہی کا گروہ غالب ہے"۔

اور آپ کی سب سے بڑی وہ ذمہ داری جس کے آپ مکلّف بنائے گئے ہیں اور اسکی وجہ سے آپ لوگوں کو پیدا کیا گیا ہے وہ ہے روئے زمین پر اللہ جل شانہ کے حکم کو قائم و نافذ کرنا اور بندوں کو بندوں کی عبادت سے نکال کر اللہ جل شانہ کی عبادت میں لگانا اور دنیا کی تنگی سے فراخی کی طرف اور مذاہب وادیان کے ظلم سے دین اسلام کے عدل وانصاف کی طرف لے جانا۔

پھر اے نوجوانو! کیا آپ کو یہ معلوم ہے کہ یہ مقصد و ذمہ داری کس طرح پوری ہو گی؟ یہ ذمہ داری پانچ ایسی بنیادی صفات سے متحقق ہو گی جن سے خود کو آراستہ اور متصف کرنا ضروری ہے۔

۱۔ اس ایمان راسخ کے ذریعے جس میں نہ نرمی ہو نہ اپنی جگہ سے حرکت کرنا وہلنا:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ۔ [الحجرات: ۱۵]

"پورے مومن تو بس وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر اس میں کبھی شک نہیں کی اور اپنے مال اور جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا تو یہی لوگ راست باز ہیں"۔

۲۔ اس سچے اخلاص کے ذریعے جس میں دکھاوے وریاکاری کا شائبہ بھی نہ ہو:

وَمَا اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ۔ [البینہ۔۵]

"حالانکہ انہیں یہی حکم ہوا تھا کہ اللہ کی عبادت اس طرح کریں کہ دین کو اسی کے لیے خاص کریں یکسو ہو کر اور نماز کی پابندی رکھیں اور زکوٰۃ دیا کریں۔ یہی طریقہ ہے ان درست مضامین کا"۔

۳۔ اس عزم محکم کے ذریعے جس پر خوف وڈر کا زرہ برابر اثر نہ ہوتا ہو۔

اَلَّذِیْنَ یُبَلِّغُوْنَ رِسَالٰتِ اللّٰہِ وَیَخْشَوْنَہٗ وَلَا یَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰہَ۔ [الاحزاب۔۳۹]

"یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے پیغامات پہنچایا کرتے تھے اور اسی سے ڈرتے تھے اور بجز اللہ کے کسی سے نہیں ڈرتے تھے"۔

۴۔ اس عمل پیہم کے ذریعے جس میں سستی وکاہلی نام کو نہ ہو۔

وَ قُلِ اعْمَلُوْا فَسَیَرَی اللّٰہُ عَمَلَکُمْ وَرَسُوْلُہٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَ سَتُرَدُّوْنَ اِلٰی عَالِمِ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ فَیُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ [التوبہ۔۱۰۵]

"اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجئے کہ عمل کئے جاؤ سو تمہارے عمل کو اللہ اور اسکا رسول اور مومنین ابھی دیکھ لیتے ہیں اور تمہیں ضرور ہی غیب وشہادت جاننے والے کے پاس واپس جانا ہے تو وہ تم کو بتلادے گا کہ تم اب تک کیا کرتے رہے"۔

۵۔ اس عظیم قربانی کے ذریعے جو کامیابی، فتح یا شہادت کے علاوہ کسی چیز کو نہ جانتی ہو:

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّۃَ وَلَمَّا یَاْتِکُمْ مَثَلُ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِکُمْ مَسَّتْھُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰی یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَہٗ مَتٰی نَصْرُ اللّٰہِ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ۔ [البقرہ۔۲۱۴]

"تم پر ان لوگوں کے حالات پیش نہیں آئے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں۔ انھیں تنگی اور سختی پیش آئی اور انھیں ہلا ڈالا گیا یہاں تک کہ پیغمبر اور جو لوگ ان کے ہمراہ ایمان لائے تھے بول اٹھے کہ اللہ کی امداد آخر کب آئے گی، سن رکھو اللہ کی امداد یقینا قریب ہی ہے"۔

در حقیقت پانچوں صفات ان لوگوں کی خصوصیات ہیں جنھوں نے اللہ جل شانہ سے کئے ہوئے عہد کو سچ کر دکھایا اور ان نوجوانوں کی امتیازی خصوصیات ہیں جو اللہ تعالیٰ کے دین کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی قطعاً پرواہ نہیں کرتے اس لیے کہ ایمان کی اساس ذکی قلب ہے اور اخلاص کی اساس صاف ستھرا ہے اور عزم کی بنیاد قوی شعور ہے اور عمل

کی بنیاد مضبوط ارادہ ہے اور قربانی کی اساس راسخ عقیدہ ہے اور یہ تمام صفات سب سے زیادہ کامل طریقے سے جوانوں میں ہی مجتمع ہو سکتی ہیں اور یہ مومن نوجوانوں کی ہی خصوصیات ہیں۔

اسی لیے تاریخ کے تمام ادوار میں پہلے بھی اور آج بھی مومن نوجوان ہی امت اسلامی کی ترقی کا ستون اور قوت کا راز اور عزت و کرامت کا باعث اور اس کے جھنڈے اور علم کے حاملین اور فتح و کامرانی کے لیے اس کے زبردست لشکروں کے قائد ہوا کرتے تھے۔

اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى۔ [الکہف۔ ۱۳]

"یہ لوگ چند نوجوان تھے جو اپنے پروردگار پر ایمان لائے تھے اور ہم نے انھیں ہدایت میں ترقی دے دی تھی"۔

اے نوجوانو!

آپ حضرات کو یہ جان لینا چاہے کہ وہ مومن جماعت جو دارِ ارقم میں بنی اور مجتمع ہوئی تھی جس کے ذریعے اسلام کو نصرت و فتح حاصل ہوئی تھی وہ نوجوانوں کی جماعت تھی، چنانچہ بعثت و نبوت عطا کئے جانے کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک چالیس سال تھی اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین سال چھوٹے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عمر ستائیس سال تھی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی چھوٹے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ تو سب سے چھوٹے تھے اور اسی طرح حضرات: عبد اللہ بن مسعود، عبد الرحمٰن بن عوف، الارقم بن ابی الارقم، سعید بن زید، معصب بن عمر، بلال بن رباح، عمار بن یاسر وغیرہ رضی اللہ عنہم اجمعین دسیوں بلکہ سینکڑوں حضرات جو سب کے سب نوجوان ہی تھے۔

یہ وہ نوجوان ہستیاں تھیں جنھوں نے اپنے کاندھوں پر دعوت و تبلیغ کا بوجھ اٹھایا تھا۔ یہی وہ حضرات تھے جنھوں نے دعوت و تبلیغ کے میدان میں بڑے سے بڑے عذاب و تکالیف کو خندہ پیشانی سے برداشت کرکے صبر و قربانی کے اعلیٰ ترین مثالیں قائم کیں، یہی وہ حضرات

تھے جنھوں نے صبح و شام جہد مسلسل کرکے دین اسلام کو پھیلایا اور عام کیا اور اس دین کو فتح و کامرانی سے ہمکنار کیا اور غلبہ دلایا۔ اس لیے کہ مسلمانوں کی حکومت اور سلطنت کی قیادت و سربراہی چند منٹوں یا صبح سے شام تک کے عرصے میں قائم نہیں ہوئی تھی اور انھوں نے چند منٹوں ہی میں دو بڑی حکومتوں فارس و روم کے اپنے سامنے سرنگوں نہیں کیا تھا اور ان کا عظیم سایہ مشرق میں سندھ کے شہروں اور شمال میں خزر، آرمینیہ اور روس کے شہروں میں ذرا سی دیر میں نہیں پھیلا اور ان کا عدل و انصاف شام، مصر، برقہ، طرابلس اور باقی افریقہ میں ایک لحظہ میں داخل نہیں ہوا بلکہ یہ سب کچھ پینتیس سال میں ہوا تھا، بنو امیہ کے دور میں ان کی حکومت اور وسیع ہوئی اور سلطنت اور پھیلی یہاں تک کہ وہ سندھ کے شہروں اور ہند کے بڑے حصے اور ترکستان میں داخل ہو گئے اور مشرق میں چین کی حدود تک پہنچ گئے اور مغرب میں یورپ کے شہر اندلس میں داخل ہو گئے، اور مسلمانوں کے ایک سربراہ خلیفہ ہارون الرشید نے جب عالم اسلامی کی وسعت دنیا کے سامنے بیان کرنا چاہی تو اس کے سوا اور کچھ نہ کرسکے کہ اس بادل کے ٹکڑے کو خطاب کرکے کہا جو ان پر بر سے بغیر گزر گیا تھا: تم جہاں چاہو جا کر برسو اس لیے کہ تمہارا عشر ہم تک ہی پہنچے گا۔

اور یہ دیکھیے حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ کو جو مغرب کے بالکل اخیر میں محیطِ اطلنطسی کے کنارے پر کھڑے ہوئے ان کے گھوڑے کی ٹانگیں پانی میں تھیں اور فرمایا: اے اللہ! حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پروردگار! اگر یہ سمندر درمیان میں حائل نہ ہوتا تو میں آپ کے کلمہ اور دین کی سربلندی کے لیے ساری دُنیا فتح کرلیتا۔ لہٰذا اے اللہ آپ گواہ رہیے گا اور یہ حضرت قتیبہ باہلی رضی اللہ عنہ ہیں جو مشرق کے اخیر تک چلے گئے اور چین میں داخل ہوئے بغیر واپس آنے سے انکار کیا تو ان کے ایک ساتھی نے از راہ شفقت انھیں ڈراتے وتنبیہ کرتے ہوئے اُن سے کہا: اے قتیبہ رضی اللہ عنہ! آپ ترکیوں کے علاقے میں بہت دُور تک نکل گئے ہیں اور حوادثات زمانہ آتے جاتے رہتے ہیں [یعنی ذرا احتیاط کیجیے اتنی دُور تک نہ جایئے] تو ایمان سے سرشار ہو کر حضرت قتیبہ رضی اللہ عنہ نے انھیں جواب دیا: میں اللہ کی

مدد ونصرت کے اعتماد پر دور تک چلا گیا ہوں۔ اُن کے ساتھی نے جواب دیا: ”اے قتیبہ! آپ جہاں جانا چاہتے ہیں چلے جائیں اس لیے کہ آپ کا عزم اتنا زبردست ہے جسے اللہ جل شانہ کے علاوہ کوئی اور ختم نہیں کرسکتا!“ اور اللہ تعالیٰ رحم کرے شاعرِ اسلام علامہ اقبال پر وہ کہتے ہیں:

بمعابد الأفرنج کان أذاننا قبل الکتائب یفتح الأمصار

لم تنس افریقیا ولا صحراؤھا سجداتنا والأرض تقذف نارا

کنا نقدم للسیوف صدورنا لم نخش یوما غاشما جبارا

وکان ظل السیف ظل حدیقة خضراء تنبت حولھا الازھارا

۱۔ انگریزوں کے گرجوں میں ہماری اذاں لشکروں سے قبل ہی شہر فتح کرلیا کرتی تھی۔

۲۔ افریقہ اور اس کے صحرا اس حالت میں ہمارے سجدوں کو نہیں بھولے جب کہ زمین آگ برسا رہی ہوتی تھی۔

۳۔ ہم تلواروں کے سامنے اپنے سینے بڑھا دیا کرتے تھے ہم کسی ظالم غاصب دن سے بھی نہ ڈرے۔

۴۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تلواروں کا سایہ ہمارے لیے سبز رنگ کا باغیچہ بن گیا تھا جس کے ارد گرد پھول اُگے ہوئے ہوں۔

اے نوجوانو!

میرے ساتھ آؤ تا کہ ہم شام کے شہروں، عراق کی مضافاتی بستیوں، اُندلس کے باغات، ہند کے شہروں، چین کے اطراف اور دُنیا کے دوسرے مقامات سے ان عظیم بہادروں کے حالات پوچھیں جنہوں نے ایمان واسلام کی تربیت حاصل کی تھی اور مسجد نبوی، مسجد حرام، مسجد اقصیٰ، مسجد قرطبہ، جامعہ ازہر اور جامعہ اموی سے فارغ التحصیل ہو کر نکلے تھے۔ ان علاقوں اور ملکوں والوں کے پاس ان کے قابل فخر کارناموں، عزت بخش مکارم، علوم، تہذیب وتمدن، اصول وضوابط، بنیادی تعلیمات، بہادری کے واقعات اور قربانیوں کے صحیح اور سچی خبریں موجود ہوں گی، اس لیے کہ یہی وہ حضرات تھے جنہوں نے نفوس کو مہذب بنایا، دلوں

کو ہدایت دی، علم پھیلایا اور معرفت کے راستے کو ہموار کیا، انسان کا اکرام کیا اور بُت پرستی کے آثار ونشان تک مٹا ڈالے اور تمام مخلوق پر حق، ہدایت اور معرفت کے نور کی بارش برسائی اور زمین سے خیر و بھلائی، شہد ودودھ کی نہریں نکالیں اور زمانے کے ضمیر میں توحید، عدل، بھائی چارہ اور اخوت ومساوات کے بنیادی اصول جاگزین کیے۔ کیا دنیا نے ان سے زیادہ شریف، معزز ومکرم، رحمدل وشفیق، عظیم وجلیل، ترقی یافتہ اور زبردست عالم دیکھے ہیں؟

ان حضرات نے آزادی کا عَلَم اس وقت بلند کیا جب دوسری تمام قومیں غلامی کی قید میں جکڑی ہوئی تھیں اور عقیدہ توحید کو لوگوں میں اس وقت پھیلایا جب اُن کی عقلیں جاہلیت کے طوق میں جکڑی ہوئی تھیں اور عدل وانصاف کی صدا اُس وقت بلند کی جب ظلم وجور کا بازار گرم تھا اور فارس وروم نے مختلف قوموں کو اپنی جنگی خواہشات کے لیے مسخر کیا ہوا تھا۔

اللہ کے ان بندوں نے مال ودولت کو اس وقت خرچ کیا جب دوسرے لوگ اسے ظلم کے ذریعے جمع کر رہے تھے اور انہوں نے عزتوں اور آبروؤں کی اس وقت حفاظت کی جب دوسرے لوگ ماؤں بہنوں کو فروخت کر رہے تھے۔

ان کی پیشانیاں اللہ جل شانہ کے سامنے جُھکتیں اور دوسروں کے سامنے سرخرو ہوتیں تھیں، ان کے دل جمال وعمدہ چیزوں کو پسند کرتے اور ہر گندی چیز سے نفرت کرتے تھے ان کی عقول حق پر ایمان لائی تھیں اور انہوں نے ہر باطل کو ٹھکرا دیا تھا۔ انہوں نے دنیا کے کام اس لیے کیے تاکہ اس کے ذریعے دین کی خدمت کر سکیں اور انہوں نے دین ودُنیا کو جمع کیا تاکہ دُنیاوی زندگی میں با عزت رہیں اور آخرت میں کامیاب ہونیوالوں میں شامل ہوں۔ انہوں نے دُنیا پر حکومت کرکے اسے امن وسلامتی سے بھر دیا۔ ان پر حوادث کے طوفان چلے، لیکن انہوں نے صبر وخندہ پیشانی سے ان کا مقابلہ کیا اور ان پر جس نے ظلم کیا انہوں نے ان ظالموں کو تازیانہ عبرت بنا دیا۔ ان کی نظر میں شہداء کا خون جوانوں اور مردوں کا عطر سمجھا جاتا تھا، دشمنوں کے تیر ان کے سینے میں عزت وکمال کی نشانی تھے اور دین کی خاطر موت کے منہ میں چلا جانا ان کی عورتوں اور بچوں تک کے ترانے تھے۔

شہیدوں کے قافلے ان کے سامنے خوشی اور شادی کا منظر پیش کیا کرتے تھے اور تلواروں کی جھنکار ان کے کانوں میں نغمے اور خوش کن آوازیں تھیں اور ان کی مائیں اپنی گود میں نہیں سخت ترین جنگوں کی ان کو تربیت دیا کرتی تھیں۔ یہ لوگ دیگر قوموں کی طرح نہ تھے، بلکہ درحقیقت یہ ایک منفرد قوم تھی اور یہ دوسرے تمام لوگوں سے ممتاز تھے اور دوسری امتوں کی طرح نہ تھے بلکہ ایک رہنما اُمت تھی۔

اولئك آبائی فجئنی بمثلهم اذا جمعتنا یا جریر المجامع

"یہ میرے آباو واجداد ہیں اس لیے ان جیسے لے آؤ اے جریر جب ہمیں تمہیں مجالس یکجا جمع کردیں"۔

اے نوجوانو!

اخیر میں آپ لوگوں کو یہ یاد دلاتا ہوں کہ:

آپ لوگ فتح ونصرت، ایمان و تقویٰ اور ظاہراً و باطناً اللہ کے مراقبہ اور تصحیح نیت اور گناہوں سے بچنے، برائیوں سے دُور رہنے اور شہوت نفس اور دُنیاوی زندگی کے فتنوں سے الگ تھلگ رہنے کے ذریعے ہی حاصل کر سکتے ہیں۔

اگر آپ لوگ اپنے نفس پر غالب آگئے اور شہوات و لذات کے میل کچیل سے دُور رہے اور اللہ جل شانہ کو اپنا مقصود وغایت اور اس کی مقدس شریعت کو اپنی زندگی کا نظام اور منہج اور اپنی لڑائی جھگڑوں کا فیصل کنندہ اور اپنے اعمال کے لیے میزان بنالیا تو پھر اللہ نے چاہا تو فتح مبین اور پُرزور نصرت آپ کے شامل حال ہو گی اور اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے اور دین کے دشمنوں پر فتح عطا فرمائیں گے۔

کتبِ تاریخ میں لکھا ہے کہ جب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے مصر کے فتح ہونے میں تاخیر محسوس کی تو مسلمانوں کے لشکر کے قائد عمومی عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو لکھا:

"حمد وصلاۃ کے بعد: مجھے بڑا تعجب ہے کہ آپ لوگوں کو مصر فتح کرنے میں اتنی تاخیر

ہو رہی ہے، آپ لوگ ان سے دو سال سے برسرپیکار ہیں، اس کی وجہ اس کے سوا اور کوئی نہیں کہ آپ لوگوں نے کچھ نئی چیزیں گھڑلی ہیں اور آپ لوگوں نے دنیا سے اس طرح محبت شروع کر دی ہے جس طرح آپ کے دشمن اس سے محبت رکھتے ہیں اور یاد رکھیے اللہ تعالیٰ جس قوم کی بھی مدد فرماتے ہیں وہ ان کی نیت کی سچائی وصفائی کی وجہ سے۔"

اے نوجوانو! آپ سب لوگ وہ وصیت بھی جانتے ہوں گے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجی تھی جس میں لکھا تھا:

" حمد وصلاۃ کے بعد! میں آپ کو اور فوج کے ان لوگوں کو جو آپ کے ساتھ ہیں ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کے تقویٰ وخوف کی وصیت کرتا ہوں، اس لیے کہ اللہ جل شانہ کا خوف وڈر دشمن کے خلاف سب سے بڑا ہتھیار اور جنگ میں سب سے بڑی تدبیر ہے اور میں آپ کو اور آپ کے ساتھ موجود لشکر والوں کو یہ حکم دیتا ہوں کہ آپ لوگ معاصی ونافرمانیوں سے اپنے دشمن سے زیادہ ڈرتے رہیں، اس لیے کہ گناہوں کے لشکر دشمن سے زیادہ خطرناک ہیں، مسلمانوں کو اپنے دشمنوں پر اس لیے فتح حاصل ہوتی ہے کہ ان کے دشمن اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں، اگر یہ بات نہ ہوتی تو ہمیں ان پر فتح وقوت حاصل نہ ہوتی اس لیے کہ ہماری تعداد ان کے برابر نہیں ہے نہ ہمارے پاس ان جیسے ہتھیار اور ساز وسامان ہے، اس لیے اگر ہم اور وہ معصیت ونافرمانی میں برابر ہو گئے تو طاقت کے اعتبار سے دشمنوں کا پلہ بھاری ہوگا، ورنہ ہم ان پر اللہ کے فضل وکرم سے غالب ہوں گے نہ کہ دنیوی طاقت وقوت کے بل بوتے پر۔"

اے نوجوانو!

آپ لوگوں کے لیے فتح ونصرت کا یہی طریقہ ہے اور بخدا یہی تمہاری قوم وملک کی عزت کا راستہ ہے، یہود کے ساتھ جنگوں میں ہمارے مسلمان جو پے در پے شکست وہزیمت کا شکار ہو رہے ہیں وہ صرف اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دور ہیں اور انہوں نے اسلام کو چھوڑ دیا ہے اور نافرمانیوں، گناہوں اور شہوت پرستی میں غرق ہیں اور ہمارے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں اس مادی دور میں روحانی واخلاقی طور سے شکست خوردہ ہیں جس میں برائیاں بہت زیادہ اور

فسق وفجور اور گناہوں زوروں پر ہیں۔

خلیفۂ عادل حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس وقت بالکل بجا فرمایا تھا جب یہ فرمایا: ہم وہ قوم ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے اسلام کی بدولت عزت بخشی ہے۔ ہم جب اس چیز کو چھوڑ کر عزت کے متلاشی ہوں گے جس سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں عزت دی ہے تو ہم ذلیل ورُسوا ہو جائیں گے۔ [مستدرک حاکم]

اور اللہ تعالیٰ رحم کرے شاعرِ اسلام ڈاکٹر محمد اقبال پر وہ کہتے ہیں:

كل من اهمل ذاتيته فهو اولىٰ الناس طراً بالفنا

لن يرى فى الدهر شخصيته كل عن قلد عيش الغرباء

۱۔ ہر وہ شخص جو اپنی شخصت کو مہمل چھوڑ دے گا، وہ تمام لوگوں سے زیادہ فنا ہونے کا مستحق ہوگا۔

۲۔ زمانے میں اپنی شخصیت کو وہ شخص ہر گز، نمایاں نہیں دیکھ سکتا جو دوسروں کی زندگی کی تقلید کرے۔

اے نوجوانو!

اُٹھو اور اسلام کے بلند وبالا محل کو اپنے جوان بازوؤں سے مضبوط کر دو، اپنے عزم محکم سے اپنے عظیم آباواجداد کی زبردست عزت ومجد واپس لوٹا دو، دو اچھائیوں میں سے ایک اپنے سامنے رکھو، یا تو نصرت خداوندی اور فتح تاکہ باعزت زندہ رہو یا قتل وجان کی قربانی تاکہ شہید بن کر مرو۔

ونحن اناس لا توسط بيننا لنا الصدر دون العالمين او القبر

ستعلم امتنا انتا ركبنا الخطوب هياما بها

فان نحن فزنا فيا طالما تذل الصعاب لطلابها

وان من حتفا فقد قدمت كؤس المنايا لشرابها

۱۔ "ہم وہ لوگ ہیں جن کے یہاں درمیان کی کوئی چیز نہیں ہے اور لوگوں کے بجائے

صدارت ہمارے لیے ہے یا پھر قبر۔زمانے کے کانوں میں کرامت ، عزت اور فتح ونصرت کے اشعار اور قربانی وجانثاری کے ابیات بار بار دہراؤ"۔

۲۔ "ہماری قوم جانتی ہے کہ ہم حوادثات سے شغف و تعلق کی بناپر ان پر سوار ہو گئے"۔

۳۔ "اگر ہم کامیاب ہو گئے تو کتنے ہی مرتبہ مشکلات ان کے درپے رہنے والوں کے لیے آسان ہو جاتی ہے"۔

۴۔ "اور اگر ہم مر جائیں تو پھر کیا ہوا، موت کے پیالے اس کے پینے والوں کے لیے پیش کر دیے گئے ہیں"۔

وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ [التوبہ:۱۰۵]

"اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجیے کہ عمل کیے جاؤ سو تمہارے عمل کو اللہ اور اُس کا رسول اور مومنین ابھی دیکھ لیتے ہیں اور تمہارے ضرور ہی غیب وشھادت کے جاننے والے کے پاس جانا ہے تو وہ تم کو بتلادے گا کہ تم اب تک کیا کرتے رہے ہو۔"

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

ماخذ ومراجع

- قرآن پاک
- کتب احادیث
- حیات صحابہؓ — مولانا محمد کاندہلویؒ
- مسلمان نوجوان — شیخ عبداللہ ناصح علوان
- انقلاب اسلامی اور مسلم نوجوان — حافظ ادریس صاحب
- نوجوانوں کی اہمیت وافادیت — مولانا گوہر رحمٰن صاحب
- نوعمر صحابہؓ اور اقامت — سید حامد صاحب